بفیضانِ نظر: مفتی تقدس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ * پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ * علامہ شمس الحسن شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

بانیِ ادارہ: مولانا سید محمد ریاست علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

محسنِ ادارہ: الحاج شفیع محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

ISBN 978-969-9266-04-1

مفکرِ اسلام امام احمد رضا حنفی کے اصلاحی و تحقیقی افکار کا ترجمان

ماہنامہ معارفِ رضا کراچی

جلد: 32 شمارہ: 03

مارچ ۲۰۱۲ء / ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ

مدیرِ اعلیٰ: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

مدیر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

نائب مدیر: پروفیسر دلاور خاں

حُسنِ ترتیب (شمارہ مارچ ۲۰۱۲ء)

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

25- جاپان مینشن، ریگل، صدر، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔

فون: 32725150-21-92+ فیکس: 32732369-21-92+

ای میل: imamahmadraza@gmail.com

ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

ہدیہ فی شمارہ: 40 روپے

سالانہ: عام ڈاک سے: -/400 روپے
رجسٹرڈ ڈاک سے: -/800 روپے
بیرونِ ممالک: 40 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214-حبیب بینک لمیٹڈ پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

اپنی بات

معرفتِ توحید اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر دلاور خاں

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ محی الدین شیخ عبدالقادر بن ابی صالح ابو محمد الحنبلی جب بغداد تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں جا کر علم حدیث پڑھا اور اُس میں کمال حاصل کیا۔ علم فقہ و حدیث وعلوم حقائق و وعظ گوئی میں آپ یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ نیک بات بتانے اور برائی سے روکنے کے سوا اور کسی امر میں نہ بولتے۔ خلفا، وزرا، امرا و سلاطین، خواص و عوام کو مجلسوں میں منبر پر چڑھ کر اُن کے روبرو نیک بات بتادیتے اور برائی سے اُنہیں روکتے؛ جو کوئی ظالم کو حاکم بنادیتا تو آپ اُسے منع کرتے۔ غرض آپ کو راہِ خدا میں قدم رکھنے، خلق اللہ کو نیک بات بتانے اور برائی سے روکنے میں کسی سے کچھ خوف و عار نہ ہوتا تھا۔ آپ بہت بڑے زاہد و متقی تھے۔ آپ کی کرامتیں اور آپ کے مکاشفات بکثرت ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آپ ساداتِ مشائخ کبار سے تھے۔ قدس اللہ سرہ ونور ضریحہ۔

حضرت شیخ حماد الدباس سے متعلق سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب پڑھنے پڑھانے کے لیے آپ کے پاس سے چلا جاتا اور پھر واپس آتا تو آپ فرماتے کیوں، عبدالقادر! یہاں کیسے آئے ہو؟ تم تو فقیہ ہو فقہا میں جاؤ یہاں تمہارا کیا کام ہے؟ میں خاموش رہتا آپ مجھے سخت اذیت پہنچاتے حتیٰ کہ آپ مجھے مارا بھی کرتے۔ اسی طرح سے جب میں آپ کی خدمت میں جاتا تو کبھی کبھی آپ مجھ سے فرماتے کہ آج ہمارے پاس بہت سا کھانا وغیرہ آیا تھا ہم نے کھالیا اور تمہارے واسطے ہم نے کچھ نہیں رکھا۔ میرے ساتھ آپ کا یہ معاملہ دیکھ کر آپ کی مجلس کے اور لوگ بھی مجھے ایذا تکلیف دینے لگے اور مجھ سے کہنے لگے کہ تم تو فقیہ ہو تم ہمارے پاس آکر کیا کرتے ہو؟ تمہارا یہاں کیا کام ہے؟ یہ سن کر حضرت شیخ حماد الدباس کو حمیت غالب ہوئی اور آپ نے ان سے فرمایا کہ نامعقولو! تم لوگ اسے کیوں تکلیف دیا کرتے ہو؟ تم میں تو کوئی بھی اس جیسا نہیں۔ میں اگر اسے تکلیف دیتا ہوں تو صرف امتحان کے لیے ایسا کرتا ہوں، مگر میں دیکھتا ہوں کہ وہ ایک نہایت مستقل مزاج شخص ہے اور پہاڑ کی طرح ہے کہ کسی طرح سے بھی جنبش نہیں کھا سکتا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

آنحضرت ﷺ کی روحانی تربیت کے ذریعے سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کو کمالاتِ لطیفۂ قلب عطا ہوئے۔ یہ لطیفہ انسان کے سینے میں بائیں جانب واقع ہے اور حضرت آدم علیہ السّلام سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بعد کمالاتِ لطیفۂ روح حاصل کیے، جو دائیں جانب واقع ہے اور اس کا تعلق حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے ساتھ ہے اس کے بعد کمالاتِ لطیفۂ سر حاصل کیے، جو لطیفۂ قلب اور لطیفۂ روح کے درمیان ہے اور جس کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے۔ اس کے بعد لطیفۂ نفس کے کمالات حاصل کیے، جس کا مقام ناف یعنی اس سے ذرا اوپر ہے اس کے بعد لطیفۂ خفی کے کمالات حاصل کیے، جو وسط پیشانی میں واقع ہے اور جس کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے ہے۔ اس کے بعد لطیفۂ اخفیٰ کے کمالات حاصل کیے، جو فنا اتم ہے اس کا مقام اما الدماغ یعنی سر کی چوٹی میں ہے اور اس کا تعلق حضرت خاتم الرسل علیہ الصلاۃ والسّلام سے ہے؛ یہ آنحضرت ﷺ کی خلافتِ کبریٰ ہے جو آپ کو حاصل ہوئی۔ (اقتباس الانوار، ص ۱۷۸)

سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں: جس شخص میں تاوقتیکہ بارہ خصلتیں نہ پائی جائیں ولایت کی مسند پر اسے سجادہ نشین ہونا ہرگز جائز نہیں وہ بارہ خصلتیں کہ جن کا ولایت کے مسند پر بیٹھنے والے کے لیے ضروری ہونا ہے، یہ ہیں:

اوّل دو خصلتیں خدا تعالیٰ سے سیکھے: عیب پوشی اور رحم دلی۔ دو خصلتیں جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سیکھے: شفقت

ورفاقت اور دو خصلتیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سیکھے: راستی اور راست گوئی اور دو خصلتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سیکھے: ہر ایک کو نیک بات بتلانا اور برائی سے روکنا اور دو خصلتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سیکھے: کھانا کھلانا اور شب بیداری کرکے عبادتِ الٰہی کرتے رہنا اور دو خصلتیں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے سیکھے: عالم بننا اور شجاعت وجواں مردی اختیار کرنا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ مقتدا بننے کے لائق وہ شخص ہے کہ جو علوم شرعیہ وطبیّہ میں ماہر اور اصطلاحاتِ صوفیہ سے واقف ہو۔ بدوں اس کے کوئی شخص مقتدا بننے کے لائق نہیں۔ شیخ الصوفیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا علم قرآن وحدیث میں دائر ہے جس شخص نے کہ کتاب اللہ وحدیثِ رسول اللہ کو ضبط نہ کیا ہو، فقاہت (دینی فہم) نہ رکھتا ہو، اصطلاحاتِ صوفیہ سے ناواقف ہو؛ وہ مقتدا بننے کے لائق نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ اسم اعظم ہے کہ اس کا اثر تب ہی ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں بجز اللہ کے اور کچھ نہ ہو۔ معارف کی بسم اللہ بمنزلہ (حکم) "کن" کے ہے (یعنی جب خدائے تعالیٰ کسی شے کو موجود کرنا چاہتا ہے تو اس کی نسبت فرماتا ہے "کن" یعنی "ہو جا" تو وہ موجود ہو جاتی ہے۔ یہی حال معارف کی بسم اللہ کا ہے۔

اللہ وہ کلمہ ہے جو ہر مہم کو آسان اور ہر ایک غم وفکر کو دور کردیتا ہے۔ یہ وہ کلمہ ہے کہ جس کا نور عام ہے۔ اللہ ہر غالب پر غالب ہے۔ اللہ مظہر العجائب ہے اللہ تعالیٰ کی سلطنت تمام سلطنتوں سے زبردست ہے اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے حال پر مطلع اور ان کے دل کے راز سے واقف ہے۔ اللہ تمام سرکشوں کو پست کرنے والا اور تمام زبردستوں کو توڑ دینے والا ہے۔ اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ جو اللہ کا ہے وہ اللہ کی حفاظت میں ہے؛ جو اللہ کو دوست رکھتا ہے وہ غیر اللہ کو دوست نہیں رکھتا؛ جو اللہ کی راہ میں قدم رکھتا ہے وہ اس تک پہنچ جاتا ہے وہ اس کے سایۂ عاطفت میں زندگی بسر کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا مشتاق ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسیت رکھتا ہے اور جو اغیار کو چھوڑ دیتا ہے اس کے اوقات خدائے تعالیٰ کے ساتھ گزرتے ہیں؛ وہ خدا کے ہی در پر اس سے التجا کرتا ہے۔

خدائے تعالیٰ سے بھاگنے والو: اب بھی اس کی طرف آؤ تم اس کا نام اس سرائے فانی میں سن رہے ہو تو بقا میں اس کے جمال کا کیا کچھ شہرہ ہوگا۔ دارِ محنت میں تمہارے لئے یہ کچھ ہے، تو دار نعمت میں کیا کچھ ہوگا۔ خدا کا نام لو اور اس کے در پر آکر اسے پکارو پھر جب حجاب اٹھ جائے تو دیکھو کہ لوگ مشاہدے میں ہوں گے اور وصال کے دریا ان پر سے بہہ رہے ہوں گے۔ دوست کی مثال اس پرندے جیسی ہے جو کہ شاخوں پر بیٹھ کر صبح تک اپنے دوست کی یاد میں نغمہ سرا رہے اور شب بھر ذرا اپنی آنکھ نہ لگائے اور اسی طرح سے اس کا شوق محبت روز افزوں رو بترقی ہو۔ تم خدائے تعالیٰ کو تسلیم ورضا سے یاد کرو وہ تمہیں بہترین حال سے یاد کرے گا۔ دیکھو وہ فرماتا ہے:

مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (سُوْرَۃُ الطَّلَاق، آیت ۳)

(جو خدا پر بھروسہ کرے تو خدا اس کے لیے کافی ہے)

تم اسے شوق واشتیاق سے یاد کرو وہ تمہیں اپنے تقرب و وصال سے یاد کرے گا۔ تم اسے حمد وثنا سے یاد کرو وہ تمہیں اپنے انعامات واحسانات یاد کرے گا۔ تم اسے توبہ سے یاد کرو وہ تم کو اپنی بخشش ومغفرت سے یاد کرے گا۔ تم اسے بدوں غفلت کے یاد کرو وہ تمہیں بدوں مہلت کے یاد کرے گا۔ تم اسے ندامت سے یاد کرو وہ تمہیں کرامت وبزرگی سے یاد کرے گا۔ تم اسے معذرت سے یاد کرو وہ تمہیں مغفرت سے یاد کرے گا۔ تم اسے خلوص و اخلاص سے یاد کرو وہ تمہیں خلاصی سے یاد کرے گا۔ تم اسے تنگ دستی میں یاد کرو وہ تمہیں فراخ دستی کے ساتھ یاد کرے گا۔ تم اسے استغفار کے ساتھ یاد کرو وہ تمہیں رحمت وبخشش کے ساتھ یاد کرے گا۔ تم اسے اسلام کے ساتھ یاد کرو وہ تمہیں انعام واکرام کے ساتھ یاد کرے گا۔ تم اسے فانی ہو کر یاد کرو وہ تمہیں بقا کے ساتھ یاد کرے گا۔ تم عاجزی سے یاد کرو وہ تمہاری لغزشیں معاف کرنے کے ساتھ تم کو یاد کرے گا۔ تم اسے معافی مانگنے کے ساتھ یاد کرو وہ تمہارے گناہ معاف کرنے کے ساتھ تم کو یاد کرے گا۔ تم

اسے صدق سے یاد کرو وہ تمہیں رزق سے یاد کرے گا۔ تم اسے تعظیم سے یاد کرو وہ تمہیں تکریم سے یاد کرے گا۔ تم اسے ظلم و جفا چھوڑنے کے ساتھ یاد کرو وہ تمہیں وفا کے ساتھ یاد کرے گا۔ تم اسے ترکِ معصیت و خطا کے ساتھ یاد کرو وہ تمہیں بخشش و عطا کے ساتھ یاد کرے گا۔ تم اسے عبادت و اطاعت کے ساتھ یاد کرو وہ تمہیں اپنی بھرپور نعمتوں کے ساتھ یاد کرے گا۔ تم اسے ہر جگہ یاد رکھو وہ بھی تمہیں یاد کرے گا۔ ''ولذکر اللہ اکبر و اللہ یعلم ما تصنعون'' اور اللہ تعالیٰ ہی کا ذکر ذکروں سے بہتر ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔

عقیدۂ توحید سے متعلق فرماتے ہیں: ''اس پر نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے، اس کے سامنے رہو، جو تمہارے سامنے رہتا ہے، اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے، اس کی بات مانو جو تم کو بلاتا ہے، اپنا ہاتھ اسے دو جو تم کو گرنے سے سنبھال لے گا اور تم کو جہل کی تاریکیوں سے نکال لے گا اور ہلاکتوں سے بچائے گا، نجاستیں دھو کر میل کچیل سے پاک کرے گا۔ (اس خدا کو چھوڑ کر کہاں چلے؟ جو) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور بنانے والا ہے، اول ہے، آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے، دلوں کی محبت، روحوں کا اطمینان، گرانیوں سے سبک دوشی، بخشش واحسان، ان سب کا رجوع اسی کی طرف ہے، اور اسی کی طرف سے اس کا صدور ہے۔ ایک دوسری مجلس میں اسی توحید کے مضمون کو اس طرح واشگاف بیان فرماتے ہیں: ''ساری مخلوق عاجز ہے نہ کوئی تجھ کو نفع پہنچا سکتا ہے، نہ نقصان؛ بس حق تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھوں کرا دیتا ہے، اسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا ہے، جو کچھ تیرے لیے مفید ہے یا مضر ہے، اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے، اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، جو موحد اور نیکو کار ہیں، وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے دنیا سے برہنہ ہیں، گو دولت مند ہیں، مگر حق تعالیٰ ان کے اندروں پر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا، یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں، جو شخص اس پر قادر ہو، اس کو مخلوقات کی بادشاہت مل گئی، وہی بہادر پہلوان ہے۔ بہادر وہی ہے جس نے اپنے قلب کو ماسوائے اللہ سے پاک کیا اور قلب کے دروازے پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا، اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے، شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے اور توحید و معرفت باطن کو مہذب بناتی ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا، وجود بخشا اور تو کچھ بھی نہ تھا۔ اور تجھے زندہ کیا، حالانکہ تیرا کوئی پتا نہ تھا۔ تو مفلس اور فقیر تھا، تجھ کو مال دار کیا۔ تو ناتوان اور کمزور تھا، تجھ کو توانا کیا اور تجھ کو بینائی دی تاکہ تو اپنے کام کی مصلحت کو دیکھے؛ اور تو نادان تھا، تجھے دانائی عطا فرمائی اور گمراہی کے بعد تجھ کو سیدھا راستہ دکھلایا۔ پس تو کیوں غافل ہے اور اس کی رحمت سے جو عام اور بے حساب ہے کس واسطے بخشش کی طلب نہیں کرتا؟ وہ کونسی چیز ہے جو تجھ کو خداوند کریم کی اطاعت بجالانے سے روکتی ہے، جس سے تجھ کو اس دنیا میں بزرگی ملتی ہے اور انجام بخیر ہوتا ہے، تجھے بلند مرتبے حاصل ہوتے ہیں؟ کیا تو دنیا کی زندگی پر راضی ہو گیا ہے اور عمدہ اور بہتر چیزوں کا مبادلہ حقیر اور ذلیل چیزوں کے ساتھ کرتا ہے۔

وہ اپنی زندگی سے زندہ ہے، اپنے علم سے جاننے والا ہے، اپنی قدرت سے قادر ہے، اپنے ارادے سے ارادہ کرنے والا ہے۔ اپنی سماعت سے سننے والا ہے اور بصارت سے دیکھنے والا ہے، کلام سے متکلم، اوامر کا حکم دینے والا، منہیات سے روکنے والا، اخبار کی خبر دینے والا ہے، اپنے حکم و فیصلہ میں عادل ہے، اپنی عطاو انعام میں فضل واحسان کرنے والا ہے، پہلی بار پیدا کرنے والا، دوبارہ بنانے والا، مارنے والا، نئی طرح بنانے والا، ایجاد کرنے والا، ثواب دینے والا اور عذاب دینے والا ہے، جو اد ہے جو بخل نہیں کرتا، بردبار ہے، جو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا، یاد رکھنے والا ہے جو کبھی نہیں بھولتا، جاگتا ہے، جو کبھی غافل نہیں ہوتا، خبردار ہے، جو بے خبر نہیں ہوتا۔

حُجۃ اللہ

مولانا ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں

مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خاں امام احمد رضا کے بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا کے فرزند تھے۔ ریحان ملت مولانا ریحان رضا خاں رحمانی میاں اور تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خاں ازہری آپ ہی کے صاحبزادگان ہیں۔ مفسر اعظم کی حیات و خدمات پر اب تک بہت کم مواد منظر عام پر آسکا ہے۔ آپکی جو تصانیف شائع ہوسکیں وہ بھی اب نایاب ہیں۔ ماہنامہ معارف رضا کے گزشتہ شماروں میں آپ کی تصانیف ''ذکر اللہ''، ''زیارتِ قبور'' اور ''نعمت اللہ'' اور ایک مختصر تحریر ''معروف و منکر'' کے عنوان سے آپ کی ایک مختصر تحریر شائع ہوئی ہیں۔ اس ماہ آپ کی ایک اور نایاب تصنیف ''حجۃ اللہ'' پیش کی جارہی ہے۔ (عبید)

الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم (رب محمد)

والصلاۃ والسلام علیٰ حبیبہ رحمۃ للعلمین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ

اجمعین وعلینا معھم برحمتك یا ارحم الراحمین۔

امابعد یہ تفسیر بعض آیات سورۂ بلد ہے۔ اس سے انشاء اللہ نفع پائے گا وہ جو سلف صالحین کا خلف اور ان کے اثر کا متبع اور صالح ولد ہے اور محروم رہے گا جو ناخلف اور اقتداءِ سلف سے نابلد ہے۔ اور میں نے اس میں غایت میں اختصار سے کام لیا ہے اور میرا مقصد مسلمانوں کی فلاح و بہبودی دینی و دنیوی ہے۔ اللھم زدنا محبۃ نمایت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعرفنا نعتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمہ کماھی واجعلنا فی حزبہ وامانہٖ فی الدنیا والاخرۃ ط

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط
لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ ١ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ ٢ وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ۙ ٣ (سُوْرَۃُ الْبَلَد، آیت ۱ تا ۳)

مجھے قسم ہے اس شہر کی (مکۂ مکرمہ) اور۔۔۔ مقیم ہی اس شہر میں۔۔۔ یہ ترجمہ اس تقریر پر ہے جب لا کو زائد مان لیں اور اس صورت میں کہ لا کو حرف زائد نہ مانیں تو ترجمہ ہوگا: ''مجھے اس شہر (مکہ مکرمہ) کی قسم نہیں۔ کیونکہ اے محبوب تم مقیم ہو'' اس شہر میں (مدینۂ منورہ) اور یہ دونوں تفسیریں شفا شریف (علامہ قاضی عیاض ۵۰۰ھ) اور مدارج النبوۃ (حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۹۰۰ھ) میں موجود ہیں جس کو تحقیق مقصود ہو تو ان کتابوں کا مطالعہ کرے۔

تو ''لا'' حرف زائد تھا، جب رسول ﷺ مکۂ مکرمہ میں جلوہ فرما تھے اور حرف زائد نہیں، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینۂ منورہ میں مقیم ہوئے تو عزت و شرف وابستہ ہے قدموں سے جناب سرورِ کائنات محبوب رب رب الارض والسمٰوٰت ﷺ کے۔ حضور نے ہجرت فرمائی تو اس شرف نے ہجرت فرمائی اور اس میں کلامِ الٰہی جل وعلیٰ کے کمال کا ظہور ہے۔ پھر بہ تقدیر ''لا'' زائد ہونے کے قسم ہے مکۂ مکرمہ کی تو قسم جو اظہار شرف و عظمت کے لیے ہے تو یہ شرف و عظمت مکۂ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ کے یہاں کس چیز سے ملا۔ تو اس کے لیے وجہ قسم میں حق تعالیٰ نے بیت اللہ، کعبۂ معظمہ، صفا، مروہ، مزدلفہ، منیٰ و عرفات و مسجد حرام و زمزم و مقام ابراہیم کسی کا تذکرہ نہ فرمایا۔ فرمایا تو یہ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ اس لیے کے اے محبوب آپ مقیم ہیں اس شہر میں معلوم ہوا کہ قرآن شریف میں کسی چیز کی قسم یاد فرمانا اس چیز کے شرف و عزت و عظمت کے اظہار کے لیے اور شرف و عزت و عظمت کسی چیز کو جو حاصل ہوتی ہے وہ نسبتِ محبوب خدا ﷺ سے ہوتی ہے۔ مواہب لدنیہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جنازۂ مبارک پر حاضر ہوئے اور عرض کرتے ہیں: بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (نداءِ یا رسول اللہ بعدِ وصال شریف) لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِیْلَتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ میری ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ آپ کی فضیلت و مرتبہ اللہ کے یہاں یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے خاکِ پاک کی قسم قرآن شریف میں یاد فرمائی۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ ١ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ ٢۔

پس یہ تفسیر جو اوپر ذکر ہوئی صحیح تر ہے اور قرآن شریف کے کلمات سے قریب تر ہے اور بغیر کسی تکلیف کے ہے اور حدیث عمر رضی اللہ عنہ کے موافق و مطابق ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ط

پس خاک، جو کچھ بھی شرف نہیں رکھتی ہر چیز سے حقیر و

ذلیل وپست تر ہے، محبوب خدا ﷺ کے قدم مبارک سے نسبت پا کر یہ عزت وعظمت حاصل کرتی ہے کہ حق تعالیٰ اس خاک کی قسم یاد فرماتا ہے۔

کھائی قرآن نے خاکِ گزر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

للّٰھم ارزقنا نسبۃ الی قدمہ صلی اللہ علیہ وسلم وثبتنا علیٰ ذٰلك ویقول الکافر یٰلیتنی کنت ترابا۔ تو اس میں یہ عزت ونصیحت ہے کہ جو وابستہ ہو گا اللہ کے محبوب کے قدموں سے اور اُن کی تعظیم و توقیر کرے گا وہ اللہ کے یہاں عزّت پائے گا اور جو اس جناب سے تکبر کرے گا وہ ذلیل وتباہ ہو گا۔ اَللّٰھُمَّ صل علیٰ سیدنا محمد وآلہٖ وبارك وسلم کماھواھلہ اور بخاری شریف کی حدیث ہے: وَاَنَا اَلحَاشِرُ یُحشَرُ النَّاسُ یَومَ القِیٰمَۃِ عَلیٰ قَدَمِی (یعنی) میں حاشر ہوں لوگ حشر کیے جائیں گے (جمع کیے جائیں گے) روزِ قیامت میرے قدموں پر (یہ قدم شریف وہی ہیں جن سے مس ہو کر خاکِ مکہ نے یہ شرف حاصل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی قسم یاد فرمائی پس روزِ قیامت جب حق وباطل واضح ہو جائے گا لوگ اُنہی قدموں پر جھکتے ہوئے نظر آئیں گے) اور اسی کی مناسبت سے قرآن شریف کی آیۂ کریمہ میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: فَمَالِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا قِبَلَكَ مُھۡطِعِیۡنَ ۝ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِیۡنَ ۝ اَیَطۡمَعُ کُلُّ امۡرِیٍٔ مِّنۡھُمۡ اَنۡ یُّدۡخَلَ جَنَّۃَ نَعِیۡمٍ ۝ کَلَّا ؕ (سُوۡرَۃُ الۡمَعَارِج، آیت ۳۲ تا ۳۸) تو آج کیا ہے ان ناشکروں اور کافروں کو کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آرہے ہیں گروہ۔ درگروہ کیا طمع کرتے ہیں کہ ان کو جنت میں داخل کرلیا جائے گا، ہرگز نہیں۔

تو لوگ دوڑیں گے روزِ قیامت حضور علیہ السلام کی طرف اور یہ اس طمع میں کہ انھیں جنت میں داخل کرلیا جائے گا مگر انھیں پہلے ایسا کرنا تھا۔

آج لے اُن کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

جو آج اُن کی طرف جارہا ہے کل جاسکے گا اور جو آج ان کے روضے کی حاضری اور ان کی تعظیم اور ان کی شفاعت کا منکر ہے کل اسے اس سرکار سے روک دیا جائے گا۔

قرآن شریف سورۂ منافقون

وَ اِذَا قِیۡلَ لَھُمۡ تَعَالَوۡا یَسۡتَغۡفِرۡ لَکُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ لَوَّوۡا رُءُوۡسَھُمۡ وَ رَاَیۡتَھُمۡ یَصُدُّوۡنَ وَ ھُمۡ مُّسۡتَکۡبِرُوۡنَ ۝ (سُوۡرَۃُ الۡمُنٰفِقُوۡن، آیت ۵) اور جب اُن سے کہا جائے آؤ طرف رسول اللہ کے (کہ ان کے روضے کی زیارت کریں، ان پر درود وسلام پڑھیں، ان کی تعظیم کے لیے قیام کریں، اُن کا ذکرِ میلاد کریں) کہ وہ تمہارے لیے استغفار کریں۔ (طلب مغفرت یعنی شفاعت) تو اپنے سروں کو گھماتے ہیں (منہ پھیر لیتے ہیں) اور دیکھے گا تو انہیں کہ رک جاتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں (تعظیم نہیں کرتے)۔

قرآن شریف سورۂ نساء

وَاِذَا قِیۡلَ لَھُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوۡلِ رَاَیۡتَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا ۝ (سُوۡرَۃُ النِّسَآء، آیت ۶۱) اور جب ان سے کہا جائے آؤ طرف قرآن کے (تو آتے ہیں) اور آؤ طرف رسول کے تو دیکھے گا اے محبوب تو منافقوں کو کہ رک جاتے ہیں تجھ سے رک جانا۔ یصدون کے معنیٰ رُکتے ہیں۔ صدودا کے معنیٰ رک جانا رکنا۔ اسی آیت کے مناسب حدیث ہے۔ ثُمَّ لَیُصَدَّنَّ اَقوَامٌ عَنِّی "مجھ سے کچھ لوگوں کو حوضِ کوثر پر روکا جائے گا" تو یہی وہ لوگ ہیں منافق جو آج اس جناب پناہ بیکساں مدد گار بے بساں سے رکتے ہیں۔ اور روکتے ہیں۔

ان ہی کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتا ہے: فَمَالِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا قِبَلَكَ مُھۡطِعِیۡنَ ۝ الیٰ آخر الآیۃ (سُوۡرَۃُ الۡمَعَارِج، آیت ۳۷) آج کیا ہو گیا ان ناشکروں کافروں کو کہ تیری طرف دوڑے آرہے ہیں کل تو یہ تیرے نام پاک سے نفرت کرتے اور تجھ سے اے محبوب بھاگتے تھے (اور شکر مقابلے میں نعمت کے ہوتا ہے اور بخاری کی حدیث عبداللہ بن عباس سے ہے کہ اللہ کی نعمت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں؛ تو ناشکرا وہ ہے جو اللہ کی نعمت جناب ﷺ کی قدر و منزلت نہیں کرتا۔ ان کی شفاعت اللہ کی نعمت، ان کے روضے کی زیارت اللہ کی نعمت کہ فرماتے ہیں: مَنۡ زَارَ قَبۡرِیۡ وَجَبَتۡ لَہٗ شَفَاعَتِیۡ ان کا ذکر اللہ کی نعمت عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ ان پر درود و سلام پڑھنا اللہ کی نعمت کہ مغفرت، قضاءِ حوائج، برکات بے شمار رکھتا ہے: لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ

بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا (سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰن، آیت ۱۶۴)۔ اللہ نے احسانِ عظیم کیا ہے ایمانداروں پر جب اس نے ان میں اپنا رسول بھیجا: فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِیْنَ ۝ (سُوْرَةُ الْمَعَارِج، آیت ۳۷) الیٰ آخرالآیۃ۔ تو روزِ قیامت یہ ناشکرے اور کفار حضور کی طرف دوڑیں گے یہ قرآن نے بتایا اور حدیث نے فرمایا: یحشر الناس علیٰ قدمی۔ لوگ میرے قدموں پر جمع کیے جائیں گے۔

معلوم ہوا کہ لوگ حضور کے قدمانِ مبارک پر دوڑ دوڑ کر گریں گے تو وہ جو حضور علیہ السلام کی تعظیم پیش تر سے کرتے ہوں گے، وہ اپنی مراد کو پہنچیں گے اور جو شقی و بدبخت حضور علیہ السلام کی تعظیم کے منکر ہوں گے وہ نامراد، ناشاد روک دیئے جائیں گے۔ نعوذ باللہ اور حدیث شریف میں ہے کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے تو ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کے قدمِ مبارک بدرجہ اولیٰ۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو اپنے والدین کی قبر کی زیارت کرے جمعہ کے دن، اسے لکھا جائے گا بر (نیکی کرنے والا) والدین کے ساتھ تو حضور سرکارِ دوعالم ﷺ کی قبر شریف بدرجہ اولیٰ۔ اللھمہ صلی علیٰ روح سیدنا محمد فی الا رواح اللھم صل علیٰ جسد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی الاجساد اللھم صل علیٰ قبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی القبور اللھم صلی علیٰ قدمی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وھما علی رؤسنا اللھم توحنا باقدامہ وتعالہ ﷺ۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے: وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝ (سُوْرَةُ التِّیْن، آیت ۳) "اور قسم اس شہر امانت دار کی" تو اگر یہ مکۂ معظمہ کی قسم ہے: لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (سُوْرَةُ الْبَلَد، آیت ۲-۱) "مجھے قسم ہے اس شہر کی اس لیے کہ اے محبوب تم اس شہر میں ہو" تو امانت کا کنایہ اور اشارہ حضور سرکارِ دوعالم ﷺ سے ہے۔ جب یہ امانت منتقل ہوئی مدینۂ منورہ کی طرف تو وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ "قسم اس شہر امانت دار کی" تو اب "لا" زائد نہیں آیتِ ذیل میں: لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ مجھے اس شہر مکۂ معظمہ کی قسم نہیں اس لیے کہ اے محبوب آپ اس شہر (مدینہ منورہ) میں مقیم ہو۔ وصلی اللہ علیہ کما ھوا ھلہ وکما تحب وترضی خیر امن کل صلوٰۃ صُلّی علیہ اویُصلّی علیہ الیٰ یومہ القیمۃ۔ وھٰذا البلد الامین۔ "قسم اس شہر امین کی" اور امین نام ہے محمد ﷺ کا کہ قبل بعثت اہلِ مکہ آپ کو محمدِ امین کہا کرتے تھے۔ یعنی قسم ہے شہر محمد ﷺ کی (اور یہ مضمون یادر ہے کہ اس سے نتائج نکالنا ہیں) اس شہر کی قسم جو اللہ کے محبوب سے نسبتِ اقامت رکھتا ہے یا نسبتِ محبت رکھتا ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ یا نسبت تعظیم نسبت غلامی۔

یادرہے امانت کا کنایہ محمد ﷺ سے ہے۔ دو حدیثوں میں ہے حضور فرماتے ہیں قیامت کے قریب امانت دلوں سے اُٹھ جائے گی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں جب تم دیکھو کہ امانت دلوں سے اٹھتی جارہی ہے تو پہچان لو کہ قیامت بالکل ہی قریب ہے تو امانت سے مراد ہے عظمت و محبت رسول ﷺ تو قرب قیامت کی دلیل ہے کہ یہ امانت دلوں سے اٹھ رہی ہے تو ایسے مذاہب (وہابی۔ دیوبندی) کا پھیلنا قرب قیامت کی دلیل ہے۔ اللھم نعوذ بك ان تنزع عنا الا مانة والایمان۔ تو یہ خبرِ غیب ہے جو رسول اللہ ﷺ نے پیشتر دی ہوئی ہے۔ بخاری کی حدیث حضرت ابن عمر سے ہے۔ مختصراً: نجد میں زلزلے اور فتنے ہیں اور یہاں سے شیطان کا گروہ نکلے گا۔ مسلم کی حدیث ہے مختصراً۔ پلِ صراط پر کانٹے ہیں آنکڑے ہیں آنکس ہیں جو ہوتے ہیں نجد میں۔ مسلم کی حدیث ہے مختصراً حضور علیہ السلام نے ذوالخویصرہ نجدی تمیمی کے متعلق فرمایا؛ "اس کی اولاد سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے آخر زمان میں جن کی نمازوں، اور روزوں سے اپنی نمازوں روزوں کو حقیر جانو گے؛ لیکن دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے، نہیں لوٹیں گے دین میں۔ ان کی علامت سر منڈانا ہے۔" (یادرہے محمد بن عبدالوہاب بانی مذہب وہابیت دیوبندیت مودودیت تمیمی نجدی ہے۔ جب لوگ اس کے مذہب میں داخل ہوتے تو ان کے سر منڈادیتا یہاں تک کہ عورتوں کے بھی۔ دیکھیے تاریخ نجد "الدرر السنیہ") پھر شیخ نجدی لقب ہے شیطان کا۔ یہ آج تک لغت کی کتابوں میں موجود ہے۔ غیاث اللغات، لغاتِ کشوری وغیرہ وغیرہ اور تفسیر کبیر میں ہے کان یریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابلیس فی صورۃ الشیخ النجدی وجنودہ وانصرنا علیھم۔

تو دل دو طرح کے ہوئے کچھ تو وہ جن سے امانت اُٹھ گئی اور کچھ وہ جن میں یہ امانت جلوہ گر ہے۔ تو وھٰذا البلد الامین "قسم ہے اس

شہر امانت دار کی" یہ اشارہ ہوا اس دل کی طرف جس میں عظمت ومحبت محمدی ﷺ جلوہ گر ہے؛ بلکہ جہاں وہ خود تشریف فرما ہیں۔ وَ الْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَ الَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف، آیت ۵۸) "اور اچھا شہر اپنا سبزہ اگاتا ہے اللہ کے حکم سے اور شہر خبیث نہیں اُگاتا مگر ناقص پودا۔" اس سے اوپر کی آیت میں لاالٰہ الا اللہ کا بیان ہوا تھا۔ یعنی لاالٰہ اللہ کی بارش ہوتی ہے تو طیب زمین اُگاتی ہے اور اوسر اور شور نہیں اُگاتی مگر ناقص اگانا۔ تو طیب اور اچھی زمین وہ ہے جو لاالٰہ الا اللہ کی بارش سے سرسبز ہوئی اور محمد رسول اللہ کہتی اور ان پر درود وسلام پڑھتی ہے اللہ کے حکم صلوا علیہ وسلموا تسلیما سے تو بلد طیب اچھا شہر مرد مومن ہے والذی خبث بلد خبیث برا شہر مرد منافق ہے۔ توھٰذا البلد الامین "قسم اس شہر امانت دار کی" یہ مرد مومن کی قسم ہے۔

لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ (سُوْرَۃُ الْبَلَد، آیت ۱، ۲) "نہیں، مجھے اس شہر (مردِ مومن) کی قسم" کیونکہ اے محبوب آپ اس کے قلب میں تشریف فرما ہیں اور جب اس کے عقیدے میں تبدیلی آئی اور امانت دل سے چلی گئی، تو فرماتا ہے: لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ۔ "مجھے اس شہر (مردِ منافق) کی قسم نہیں کیونکہ اے محبوب آپ اس شہر (مرد مومن) میں جلوہ گر ہیں": اللھم جببه عندنا کما حببته عندالملا ئکة والمقربین وعند الاولیآء والعلماء والصالحین واحشرنا علیٰ ذلك یوم الدین۔ آیۂ کریمہ کا ماحصل یہ معلوم ہوا کہ اے محبوب جس شہر اور جس دل میں آپ تشریف فرما ہیں مجھے اس کی قسم اور جہاں آپ نہیں اور جہاں سے آپ چلے گئے۔ جس دل سے (جب مرتد ہوگیا) جس شہر سے جس مکان سے اس کی مجھے قسم نہیں۔

واعلم (اور خوب غور سے سمجھیے) شہر دو طرح کے ہوتے ہیں اور ان سے دو عقیدوں کی نسبت ہوا کرتی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں یہ بریلوی عقیدہ ہے، یہ دیوبندی عقیدہ ہے، تو بریلی اور دیوبند کے ساتھ عقیدے کی نسبت ہے۔ اب یہ دیکھو رب تعالیٰ کو کونسا شہر اور کونسا عقیدہ پسند ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ (سُوْرَۃُ الْبَلَد، آیت ۱، ۲) "نہیں نہیں مجھے اس شہر کی قسم کیونکہ آپ اے محبوب اس شہر میں ہیں مجھے اس شہر کی قسم نہیں" کیونکہ آپ اے محبوب اس شہر میں نہیں تو جس شہر میں اور دل میں اور عقیدے میں جلوہ گری ہے اللہ کے محبوب جناب محمد رسول اللہ ﷺ تعالیٰ علیہ وسلم کی تو وہ شہر اور وہ دل اور وہ عقیدہ اور وہ مسجد ومدرسہ اللہ کو محبوب ہے کہ منسوب ہے اللہ کے محبوب سے اور جس شہر وعقیدہ و دل و مسجد ومدرس کو نسبتِ محبت و تعظیم نہیں، بلکہ نسبت عداوت ومخالفت وعنا دو تکبر وتوہین ہے اللہ کے محبوب سے، یہ اللہ کو ہرگز محبوب نہیں۔

حدیثِ صحیح ہے: ماضل قوم من بعد ماکانو اعلیٰ ھدی الا اوتو الجدل۔ ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ○ (سُوْرَۃُ الزُّخْرُف، آیت ۵۸) مختصراً نہیں گمراہ ہوتی کوئی قوم اس کے بعد کہ تھی ہدایت پر مگر یہ کہ دی گئی اُسے جدل (عناد وخصومت) اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی: مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ خرالآیۃ۔ آپ کے لیے مثالیں نہیں بیان کرتے ہیں مگر عداوت وعناد سے، بلکہ یہ قوم اہل خصومت ہیں۔

نعوذ باللہ کہتے ہیں کہ ایسا علم غیب تو ہر بچہ پاگل اور جانور کو بھی ہے اور نعوذ باللہ ان سے زیادہ علم شیطان کو ہے۔ اور نماز میں ان کا خیال گدھے اور بیل کے خیال سے بدتر، وغیرہ وغیرہ۔ اور حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

دیدہ ام لاحول خواں دیواں ہزار

میں نے ہزار دیوؤں کو لاحول پڑھتے ہوئے دیکھا ہے یعنی شیطان کو۔

ازبروں مردم دروں دیو لعیں

دیکھنے میں آدمی اندر شیطان

تو فارسی زبان میں دیو شیطان کو کہتے ہیں تو جس شہر میں اور دل میں اور مسجد ومدرسہ میں اور جس عقیدہ و مذہب میں رسول اللہ ﷺ نہیں تو وہاں ہوتا ہے؛ یعنی جہاں اس کی قدر ومنزلت ومحبت وعظمت ہوتی ہے اور جہاں نہیں ہوتی وہاں وہ بھی نہیں ہوتا۔ تو جہاں اللہ کے محبوب ﷺ نہیں ہیں وہاں دیو بند ہے۔

اس دل کے اندر، اس شہر کے اندر، اس عقیدہ میں، اس مسجد و مدرسہ میں جہاں وہ نہیں ہیں اللہ کے پیارے اس کے محبوب اس کے مصطفیٰ تو وہاں ان کا دشمن شیطان شیخ نجدی دیوبند ہے۔ اللھم صل علیٰ سیدنا ومولنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اللھم عرفنا

نعمته وحببه الینا واجعله فینا ونعوذبك من همزات الشیاطین ونعوذبك رب ان یحضرون

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ سے یہ اچھی طرح معلوم ہو چکا کہ قسم کسی چیز کی اُس چیز کے اعزاز و شرف کو ظاہر کرتی ہے۔

اور یہ کہ یہ اعزاز کہ اللہ تعالیٰ اُس چیز کی قسم یاد فرماتا ہے یہ نسبت رسول ﷺ سے پیدا ہوتا ہے۔ اب انہی علوم متعارفہ سے آپ ان قسموں کو پہچانیے۔ وَالْعَصْرِ۔ "قسم ہے عصر کی۔" اگر اس سے وقت عصر مراد لیں تو یہ اس عصر کی قسم ہے جو معجزۂ رسول اللہ ﷺ سے غروبِ آفتاب کے بعد عصر ہوا۔

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمھارے لیے

اگرچہ مضامین یہاں بہت ہیں مگر اختصار کے لیے ترک کیے جاتے ہیں۔

وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰىهَا ۝ وَ الْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝ وَ النَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝ وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰىهَا ۝ وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰىهَا ۝ وَ الْاَرْضِ وَ مَا طَحٰىهَا ۝ (سُوْرَةُ الشَّمس، آیت ۱ تا ۶) "قسم سورج کی اور اس کی روشنی کی اور قسم چاند کی قسم دن کی جبکہ اسے روشن کردے او قسم رات کی جبکہ خوب اندھیری ہو اور قسم آسمان کی اور قسم زمین کی۔"

اب ان قسموں میں نسبتِ رسول تلاش کیجیے تو سورج حکمِ محبوبِ رب سے پھر آیا اور ڈوبا ہوا سورج پھر ظاہر ہوا اور عصر کا وقت ہو گیا اور روشنی پھیل گئی تو قسم ہے اس سورج کی جو ہمارے محبوب کا فرماں بردار ہے۔ اور جب چاند اللہ کے محبوب کی اُنگلی کے اشارے سے دوپارہ ہو گیا تو قسم ہے چاند کی قرآن شریف میں آ گیا۔

اور جب حضور ﷺ صبح صادق کے وقت جلوہ فرما ہوئے تو اس سے پہلے گویا رات تھی۔ ان کے آنے سے وَ النَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ہو گیا "قسم دن کی جبکہ اسے روشن کردے" اور جب وہ اللہ کے محبوب شب معراج تشریف لے گئے تو وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰىهَا اس کا بیان قرآن میں آیا۔

تو سرکار دوعالم ﷺ اللہ کا نور ہیں۔ جب تشریف لائے ان کے آنے سے اُجالا ہو گیا۔ والنهار اذا جلّٰها۔

جب مکان سے لامکاں تشریف لے گئے تو ان کے جانے سے اندھیرا ہو گیا وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰىهَا اور یہاں یہ مضمون بھی پیدا ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نورِ حق ہیں جس مکان اور دل میں جلوہ گر ہوتے ہیں تو اس دل میں اس شہر میں اس قبر میں وَ النَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا کے مصداق روز روشن فرما دیتے ہیں اور جس دل سے مکان سے شہر سے تشریف لے جاتے ہیں تو ان کے جانے سے وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰىهَا کے مصداق اندھیرا ہو جاتا ہے۔

صَلِّ وَسَلِّمْ یَااَللہ   عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہ

وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ۔ قسم والد کی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی اور قسم اس کی جو پیدا ہوا۔ یہ قسم ہے خود جناب محمد ﷺ کی اور ولد فعل ماضی معروف ہے اور والد سے مراد یا تو حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور شرف والد کا اس نسبت سے ہے کہ والد ہیں جناب سرور کائنات ﷺ کے۔

اور حضرت امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آدم علیہ السلام کا یہ توسّل نبیِّ کریم ﷺ دعا و استغفار کرنا روایت کیا ہے، جس کی تصحیح امام مالک اور حاکم جیسے ائمۂ حدیث نے کی ہے اور جس کی تصحیح کے لیے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ شعر کافی ہے۔

انت الذی لما توسل آدم   من زلة بك فاز وهو اباكا

"آپ وہ ہیں یا رسول اللہ جب آدم علیہ السلام نے آپ سے توسّل کیا تو کامیاب ہوئے حالانکہ وہ آپ کے والد ہیں۔"

جب آپ کے والد آدم علیہ السلام آپ سے توسّل کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ اس اقرار پر ہے کہ ان کا مرتبہ بڑا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ و والد۔ قسم ہے والد کی کہ اپنے بیٹے سے توسّل کرتا ہے اس لیے کہ وہ ہمارا زیادہ محبوب ہے (تو کیا حال ہے ان کا جو برابر کے بھائی بنتے ہیں اور ترکِ توسّل کرتے ہیں) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

وبك الخلیل دعا فعادت ناره   بردا وقد خمدت بنور سناكا

"اور آپ کے ذریعہ و وسیلہ سے دعا مانگی خلیل علیہ السلام نے تو انکی آگ ٹھنڈی ہو گئی" تو قرآن شریف فرماتا ہے و والد قسم ہے والد کی۔"

قرآن فرماتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (سُوْرَةُ الْاَحْزَاب، آیت ۴۰)
"نہیں ہیں محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاہیں۔"

تو اگر کسی کے باپ نہ تھے تو کسی کے بیٹے بھائی، داماد وغیرہ تو تھے، مگر قرآن شریف فرماتا ہے: مگر اللہ کے رسول اور خاتم الابنیاء۔ یعنی ان کی عزت کسی رشتے کی بنا پر نہیں اللہ کے رسول ہونے کی بنا پر ہے اور باپ سے زیادہ کرو؛ اور یہ عزت وہ ہے جو غلام اپنے آقا کی کرتا ہے اور یہ سب کے لیے ہے۔ تو خاتم الانبیاء ہیں؛ اسی لیے تو حضرت آدم حضرت ابراہیم علیہما السلام آپ سے توسل کر رہے ہیں۔ (اور یہ قصیدہ مع ترجمہ و تشریح و مع ضروری مضامینِ مفیدہ کے شائع ہوچکا ہے)

وماولد "اور قسم اُس کی جو پیدا ہوا" تو یہ فعل ہے۔ اور معلوم ہے کہ فعل کے لیے ظرف زمان اور ظرف مکان ضروری ہے۔ کب اور کہاں یہ اس ابہام کو دور کرتے ہیں جو ظرفِ زمان اور ظرفِ مکان کے متعلق ہے کب پیدا ہوا۔ ۱۲/ ربیع الاول کو صبحِ صادق کے وقت مع تمام تفاصیل کے جو اس کے متعلق ہیں۔ کہاں؟ مکۂ معظمہ میں مکان مولد النبی میں۔ تو حق تعالیٰ نے فعلِ ماضی سے تذکرہ فرمایا اور فعل میں یہ تمام تفاصیل موجود۔ اور ولد۔ مصدر اس کا "میلاد" ہے تو حق تعالیٰ تو ذکرِ میلاد صیغۂ "میلاد" سے فرماتا ہے۔ تو وہ کون بدبخت ہے جو اس کا منکر ہوا۔

اور اسی کی طرح ہے یہ آیتِ کریمہ: وَ الَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۝ ۳۳ وَ الصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۝ ۳۴ (سُوْرَةُ الْمُدَّثِّر، آیت ۳۳، ۳۴) "قسم ہے رات کی جب پیٹھ پھیرے اور قسم ہے صبح کی جب روشن ہو۔" ظاہر ہے جب رات پیٹھ پھیرے گی تو یہی صبح کی آمد ہے تو ان دو آیتوں میں اس خاص وقت کا تذکرہ ہے۔ جب رات جاتی ہے اور صبح آتی ہے اور یہ وقت ہے صبحِ صادق کا۔ تو یہ صبح صادق کی قسم ہے اس لیے کہ یہ وقت ہے پیدائشِ سرورِ کائنات ﷺ کا اور یہی مضمون ہے والفجر میں۔ حق تعالیٰ اسی سورۂ بلد میں فرماتا ہے: اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ ۝ وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ (سُوْرَةُ الْبَلَد، آیت ۸، ۱۱) کیا ہم نے آدمی کے لیے دو آنکھیں نہ بنائیں اور زبان اور دو ہونٹ اور کیا اسے دو بلندیوں کی طرف راہ نمائی نہ کردی۔ پھر بھی بے تامل گھاتی میں نہ کودا۔ تو وہ دو آنکھیں کیا ہیں:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یہ ہیں دو آنکھیں دیکھیے لا الٰہ الا اللہ کس حرف پر ختم ہوا؟ آپ دیکھیں گے کہ وہ "ہ" پر ختم ہوا۔ آپ اپنی شہادت کی انگلی کو انگوٹھے کے سرے سے ملالیں یہ "ہ" ہوئی اور دیکھیے کلمہ محمد رسول اللہ م سے شروع ہوا اور یہ بھی جوف (سوراخ) رکھتا ہے۔ اب آپ اپنے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو اس کے متصل انگلی کے سرے سے ملالیں، اس طرح کہ م کا سوراخ بن جائے ان دونوں سوراخوں کو اپنی آنکھوں پر رکھ لیں۔ یہ ہیں دو آنکھیں۔ جس کی دونوں کھلی ہیں وہ انکھیارا جس کی دونوں بند ہیں وہ نابینا اور جس کی ایک بند ہے وہ یک چشم ہے (اعور)۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا: الا انہ اعور الا انہ اعور۔ آگاہ ہو جاؤ وہ کانا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ وہ ایک چشم ہے تو ایک چشم ایک ہی طرف دیکھتا ہے؛ تو جس کو شانِ محمد رسول اللہ ﷺ نظر نہیں آتی۔ اس لیے کہ اُس کی یہ آنکھ ہی نہیں ہے وہ یک چشم ہے۔ ذرا نجد کی طرف غور سے دیکھیے اکثر نجدی یک چشم ہوتے ہیں۔ نجدیوں کے وفد کا رئیس اور شیخ بھی جو حضور سے ملنے آیا تھا وہ بھی یک چشم تھا۔ دجال بھی یک چشم ہی ہو گا۔ نعوذ باللہ من الاعاور۔

اور اس مضمون کی مؤید خود اگلی آیت ہے: ولسانا وشفتین اور زبان اور ہونٹ نہ بنائے۔ تو ذرا خوب غور اور توجہ سے پڑھیے حق تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ واحسانہ وعظم سلطانہ وبرہانہ نے زبان کس مصلحت کے لیے بنائی تو آپ توجہ سے پڑھیے۔ لاالٰہ الا اللہ چند بار پڑھیے؛ آپ محسوس کریں گے کہ یہ کلمہ صرف زبان سے ادا ہوتا ہے۔ اس کے لیے لب ہلانے کی ضرورت مطلق نہیں اور کلمہ محمد رسول اللہ جب آپ پڑھیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ لب متحرک ہو گئے اور اس کے لیے تجربے کی ضرورت ہے۔ باآواز لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھیے۔ آپ نے پہچان لیا ہو گا کہ زبان سے پڑھا جاتا ہے لاالٰہ الا اللہ اور ہونٹوں سے پڑھا جاتا ہے محمد رسول اللہ۔ ولساناً وشفتین تو کیا ہم نے

زبان اور ہونٹ نہ بنائے۔ جب ہم یہ سمجھ گئے کہ زبان سے لا الٰہ الا اللہ پڑھا جاتا ہے تو اب ہم اس آیت کے معنیٰ پہچان لیں گے انشاء اللہ۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْؕ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف، آیت۱۷۶) "اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اُس کے درجات بلند فرماتے لیکن وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی ہوا (نفسانیت) کا پیرو ہوا۔ تو اُس کی مثال کلب (کُتّے) کی طرح ہے اگر تو اُس پر حملہ کرے تو زبان نکال کر ہانپے اور جو تو اُسے چھوڑ دے تو زبان نکال کر ہانپے۔"

اس آیت کے سمجھنے کے لیے حسب ذیل مقدمات کا خیال رکھیں۔ زبان لا الٰہ الا اللہ کہتی ہے؛ ہونٹ محمد رسول اللہ کہتے ہیں۔ زبان نہیں نظر آتی ہے اس لیے کہ ہونٹ اس کا پردہ ہیں۔ یہ شکل انسانی ہے جس کے ہونٹ نہ ہوں گے، اُس کی زبان نظر آئے گی۔ تو جو لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے اور محمد رسول اللہ کو عِنادًا چھوڑ دیتا ہے تو اُس کے ہونٹ نہیں اس کی زبان نظر آتی ہے تو وہ یہ ہے جس کی مثال کُتے کی طرح ہے کہ زبان نکال کر ہانپ رہا ہے، اور اختصار تفصیل سے مانع ہے۔ اور یہ آیت: ولونشاء لرفعنه بها (الیٰ آخرہٖ) اس آیت کے قبل ہے: وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ○۱۷۵ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف، ۱۷۵، ۱۷۶) "اور تلاوت کر ان پر اُس شخص کی خبر (بناً معنیٰ خبر اور اسی سے نبی ہے جس کے معنیٰ ہیں لغت میں مخبر غیب۔ دیکھو المنجد مطبوعۂ مصر اور مصباح اللغات از عبد الحفیظ دیوبندی) جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں پھر وہ اُن سے نکل گیا۔ تو اُس کے پیچھے لگا۔ شیطان (شیخ نجدی) پس ہو گیا غاویوں (گمراہوں) میں سے اور اگر ہم چاہتے تو اُس کے مرتبہ کو بلند فرماتے، لیکن وہ زمین پکڑ گیا اور اپنی من گھڑت کا پیرو ہوا۔ تو اس کی مثال کتے کی طرح ہے جو زبان نکال کر ہانپ رہا ہے۔"

تو آیت سابق میں شیخ نجدی کا ذکر ہے اور ہو گیا غاویوں میں سے غاوی کو سمجھیے اور پھر دونوں آیتوں میں باہم مناسبت کو پہچانیے کہ یہ مثال جو کُتے کی دی گئی اس کا تعلق غاویوں سے ہے۔

اس مضمون کو شرح وبسط سے تو ہم نے "الدرر السنیہ" میں تحریر کیا ہے۔ وہاں دیکھیں پھر بھی غایت اختصار سے بیان کرتے ہیں: اس کے سمجھنے کے لیے یہ دو آیتیں لکھنا ضروری ہیں۔

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ○ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ○ (سُوْرَۃُ الشُّعَرَآء، آیت ۹۰، ۹۱) "اور جنت نزدیک کر دی گئی ہے متقیوں (پرہیز گاروں) کے اور دوزخ سامنے کر دی گئی ہے غاویوں (گمراہوں) کے۔ تو غاوی ضد ہے متقی کی اور تعرف الاشیآء باضدادھا "اور چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔" سردی گرمی سے، برائی اچھائی سے، دن رات سے، تکلیف آرام سے، عالم جاہل سے، غاوی متقی سے۔ تو متقی کسے کہتے ہیں یہ قرآن شریف سے پوچھیے۔ قرآن آپ کو بتائے گا کہ قرآن کس کو متقی کہتا ہے۔ اس کے لیے سورۂ حجرات کی دو آیتیں لکھی جاتی ہیں اور در حقیقت یہ دو آیتیں ان دو آیات کا جو ابھی مذکور ہوئیں بیان اور شرح ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰىؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ○ (سورۃ الحجرات، آیات ۳، ۴)
بے شک جو لوگ اپنی آواز پست کر رہے ہیں (از روئے ادب) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ ہیں وہ کہ اللہ نے اُن کے دلوں کو جانچ لیا ہے تقویٰ کے لیے (تو تقویٰ نام ہوا ادب کرنے کا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے)؛ اُن کے لیے مغفرت اور بڑا ثواب ہے اور بے شک جو لوگ آپ کو پکارتے ہیں حجروں کے پیچھے سے (بے ادبی اور گستاخی سے) ان میں سے اکثر بے عقل ہیں" (یہ اہلِ نجد ہیں بنی تمیم)۔

تو ان دو آیتوں میں ادب والے اور بے ادبوں کا ذکر فرمایا۔ ادب والوں کو متقی کہا اور بے ادبوں کو بے عقل کہا۔ اب سمجھیے:
وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ○ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ○ (سُوْرَۃُ الشُّعَرَآء، آیت ۹۰، ۹۱) "جنت نزدیک کر دی گئی ہے متقیوں کے (ادب کرنے والوں کے) اور دوزخ سامنے کر دی گئی ہے غاویوں کے۔" (گمراہوں بے ادبوں کے۔ اہل نجد کے)

اب پھر وہی آیتیں پڑھیے جو پیشتر لکھی گئیں۔

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا

فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ○۱۷۵وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ (سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف آیت، ۱۷۵،۱۷۶)"اور ان کو خبر سنایئے۔ اُس کی جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ اُن سے صاف نکل گیا تو شیطان (شیخ نجدی) اُس کے پیچھے لگا تو ہو گیا وہ غاویوں میں سے؛ (بے ادبوں میں سے) اور اگر ہم چاہتے تو اس کا رتبہ ان آیتوں سے بلند کر دیتے (لیکن وہ تو رسول ہی کے علو مرتبت کا منکر ہوا) لیکن وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی من گھڑت کا پیرو ہوا۔ تو اس کی مثال کُتّے کی طرح ہے جو زبان نکال کر ہانپتا ہے خواہ تو اُس پر حملہ کرے یا نہ۔" (لاالٰہ الا اللہ کہتا ہے اور محمد رسول اللہ سے نفرت کرتا ہے اور اسے چھوڑ دیتا ہے۔)

مشکٰوۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنہ میں حدیث ہے: عنقریب میری امّت تہتر ۷۳ فرقہ ہو جائے گی۔ سب دوزخ میں جائیں گے مگر ایک، اور وہ (ناجی فرقہ) جماعت ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس میں اتنا زیادہ ہے: سیخرج فی امتی اقوام اتتجاری بھم تلك الاھواء کما یتجاری الکب لصاحبہ لایبقی منہ عرق ولا مفصل الادخلہ۔ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ اُن کے ساتھ یہ من گھڑت باتیں ایسی لگی ہوں گی جیسے کَلَب لگا ہوتا ہے جو اس کا مریض ہوتا ہے نہ باقی رہے گا کوئی جوڑ اور رگ کہ اس مرض سے متاثر نہ ہو جائے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی "اشعۃ اللمعات" میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: کہ کَلَب اس بیماری کو کہتے ہیں جو کَلب (کُتّے کے کاٹنے سے پیدا ہوتی ہے۔ پانی سے گھبراتا اور نفرت کرتا ہے یہاں تک کہ پیاسا ہی ہلاک ہو جاتا ہے۔

تو کُتّا وہ ہے جو نامِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت کرتا اور اسے ترک کرتا ہے اور یہ زہر جب اُس سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے تو وہ بھی اُسی کی طرح ہو جاتا ہے۔ پاگل اور باؤلا بے عقل پانی سے بھاگتا اور نفرت کرتا ہے تو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھاگتا ہے وہ در حقیقت رحمتِ الٰہی سے بھاگتا اور نفرت کرتا ہے تو یہ پانی نہ پی سکے گا۔ یعنی حوضِ کوثر کے پانی سے محروم ہو جائے گا۔ یہ اس کی سزا ہے اور اگر کُتّا حوضِ کوثر کے پانی کو پیتا تو زبان ہی سے پیتا جیسے کُتّے پیا کرتے ہیں۔ تو مضمون یہ پیدا ہوا کہ کُتّا لاالٰہ الا اللہ کہہ کر صرف زبان سے حوضِ کوثر کا پانی نہ پی سکے گا۔ یہ ہونٹوں سے پیا جائے گا۔ یعنی محمد رسول اللہ کہنے والے پئیں گے اس لیے کہ یہ حوض اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی کرامت و فضیلت کا اظہار فرمایا ہے۔

اگر صرف لاالٰہ الا اللہ کہنے پر کوثر مل جاتا تو یہود و نصاریٰ و مشرک سب ہی یہی کہا کرتے ہیں۔ یہ تو ملے گا محمد رسول اللہ کہنے والوں کو۔ نجد کے منافقوں کو نہیں، کوئی اگر یہ کہے کہ کیا وہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں کہتے۔ اس کا جواب سورۂ منافقون کی پہلی آیت سے ہو چکا۔ اذا جاءك المنافقون الخ آپ کی خدمت میں اے محبوب منافق آئیں گے اور کہیں گے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں (گواہیِ محمد رسول اللہ میں)۔

اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ○۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ○۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ○۳ (سُوْرَۃُ الْکَوْثَر) "اے محبوب ہم نے تمہیں کوثر عطا فرمایا؛ تو اپنے رب کے لیے رحمت کیجیے اور قربانی کیجیے؛ بے شک آپ کا دشمن ابتر ہے۔

کوثر سے مراد حوضِ کوثر ہے تو جس کو حضور عطا فرمائیں گے، اُس پر رحمت فرمائیں گے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ یہ اُسی آیت کے متعلق ہوا۔ اور جس کو عطا نہ فرمائیں گے اُسے ذبح کر دیں گے کہ پیاسا تڑپے گا اور پانی کی بوند بھی کہیں نہ ہو گی۔ بے شک آپ کا دشمن برباد ہے تو جس کو ادنیٰ سے ادنیٰ مخالفت و دشمنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہو گی جیسے کہ منافق زبان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں گے اور حضور کی توہینیں کریں گے اور حضور کے جود و نوال و فیوض و برکات و عطا سے منکر ہوں گے یہی وہ ہیں جن کا بیان ان شانئك ھو الابتر میں ہے۔ انہی کے متعلق وانحر ہے ہم نے تمہیں کوثر دیا۔ فصل لربك اپنے رب کے لیے رحمت فرمائیں یہ کن کے لیے اس کا بیان سورۂ توبہ میں ہے: وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۖ (سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ، آیت ۱۰۳)۔ ان پر رحمت فرمائیں۔ دعاءِ خیر فرمائیں (یعنی شفاعت) بے شک آپ کی صلٰوۃ آپ کی دعا آپ کا درود ان کے دلوں کا چین ہے (مختلف تراجم کر دیے گئے ہیں) فصل لربک اُن کے متعلق ہوا جن کا تذکرہ فرمایا۔ ان صلٰوتك سکن لھم آپ کا درود اُن کے دلوں کا

چین ہے۔ اور وانحر۔ ان شانئك هوالابتر۔ یہ وہ ہوئے جو ان کے ضد ہیں۔(اختصار کے لیے تفصیلات ترک کی جارہی ہیں)

اور حدیث میں آیا: ''میں حوض کوثر پر ہوں گا کچھ لوگ میری طرف آئیں گے۔ یجاء بهم ذات الشمال انہیں لایا جائے گا بائیں طرف یایو خد بهم ذات الشمال انہیں پکڑا جائے گا بائیں طرف۔'' یعنی حضور کی طرف آنے نہ دیا جائے گا۔ یہ کون لوگ ہوں گے۔ اس کے سمجھنے کے لیے حسب ذیل آیات واحادیث کو پڑھنا اور سمجھنا ضروری ہے:

قرآن شریف میں اہلِ جنّت کو اصحابِ یمین (داہنی طرف والے) یا داہنا ہاتھ والے اور دوزخیوں کو اصحاب شمال (بائیں طرف والے یا بائیں ہاتھ والے) کہا ہے: اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ۝۹۰ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ۝۹۱ (سُورَۃُ الْوَاقِعَۃِ، آیات ۹۰، ۹۱) اگر مرنے والا اصحاب یمین سے ہے تو اے محبوب سلام ہے تیرے لیے اصحاب یمین کی طرف سے؛ اور باندیوں اور غلاموں کو قرآن وحدیث وفقہ میں ملک یمین کہا ہے۔ یمین یعنی داہنا ہاتھ ملک معنٰی مقبوضہ مال۔ تو اصحاب یمین کنایہ ہے ملک یمین سے تو آیت کے معنٰی یہ ہوئے۔ اگر مرنے والا اصحاب یمین سے ہے یعنی اگر آپ کا ملک یمین ہے۔ آپ کا غلام ہے تو سلام ہے آپ کے لیے آپ کے غلاموں کی طرف سے۔

تو درود وسلام پڑھنے والے آپ کے غلام جنتی ہیں۔ وعدہ ہے قرآن کا اور مسلم شریف کی احادیث ہیں۔ العبد الابق لا تقبل صلوته۔ العبدالا بق انابرئت منه الذمه۔ بھاگا ہوا عبد (غلام) اُس کی نماز مقبول نہیں۔ بھاگے ہوئے عبد کا میں ذمّے دار نہیں۔ بھاگا ہوا غلام وہ ہے جو غلامیِ محمد رسول اللہ کا منکر ہوا۔ تو ہمارے غلاموں کو قرآن وحدیث وفقہ ہمارا عبد کہتے ہیں یہ شرک نہ ہوا۔

حضور کی غلامی شرک ہوگئی۔ نعوذ بالله من ذلك۔ تو حضور کے غلام تو دہنے ہاتھ سے متعلق ہوئے جو غلامی کے منکر ہیں۔ جب یہ چارو ناچار خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں گے تو پکڑا جائے گا بائیں طرف کہ اصحاب الشمال بائیں طرف والے دوزخی ہیں۔

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ۝۴۱ فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ۝۴۲ وَّ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ۝۴۳ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِیْمٍ۝۴۴ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ۝۴۵ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ۝۴۵ (سورۃ سُورَۃُ الْوَاقِعَۃِ آیت ۴۱ تا ۴۵)

اور بائیں طرف والے وہ کیسے ہیں۔ گرم ہوا اور گرم پانی اور کالے دھوئیں کے سایہ میں۔ نہ ان کو ٹھنڈک اور نہ عزت؛ انہیں قسم کے توڑنے پر سخت اصرار تھا۔ یہ دنیا میں دولت مند تھے۔

حضور فرماتے ہیں اسلام نے شروع کیا حالت غربت میں اور عنقریب غریب ہوجائے گا۔ خوشخبری ہو غریبوں کو اسلام اُن ہی میں رہے گا۔ تو یہ جتنا دولت مند دکاندار، مل مالک، طبقہ ہے یہ سب تقریباً اکثر بیشتر حضور کی غلامی کا منکر ہے۔

قرآن کا فرمان۔ انہیں حنث عظیم پر اصرار تھا۔ ''حنث'' کے معنٰی ''قسم توڑنا'' اور قسم کو کہتے ہیں عربی میں ''یمین''۔ یمین کے بہت معنٰی ہیں اور قسم سے عہدِ مؤکد ہوجاتا ہے اور عہد مؤکد کو میثاق کہتے ہیں اور آیۂ میثاق واذاخذ الله میثاق النبیین الخ اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا نبیوں سے جب یہ رسول میں تو ان پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرنا تو یہ ہے یمین۔ اس یمین کو یعنی غلامیِ محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی عزت و تعظیم کو توڑنے پر بڑا اصرار تھا۔

اور حدیث ہے کہ حضور کی دہنی طرف اتفاق سے ایک نو عمر لڑکا بیٹھا ہوا ہے اور بائیں طرف اشیاخ (عمر رسیدہ لوگ) ہیں اور حضور نے حضرت انس کے مکان میں دودھ میں پانی مِلا ہوا ہے نوش فرمایا، جو بچ رہا۔ اُس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''حضور اپنا فضل اشیاخ کو دیں'' تو حضور نے اُس غلام (لڑکے) سے فرمایا: ''اگر تم مجھے اجازت دو تو میں اپنا فضل اشیاخ کو دیدوں؟'' وہ عرض کرتا ہے ''میں ایسا نہیں ہوں کہ مجھے جو آپ کا فضل ملے تو میں خود نہ لوں دوسرے کو دیدوں۔'' حضور نے اسی کو دیدیا اور فرمایا یمنوا۔ یمنوا۔ یمنوا۔ ''دہنے کو آؤ، دہنے کو آؤ، دہنے کو آؤ'' یعنی حضور بائیں طرف نہ دیں گے دہنے کو دیں گے۔ اور غلام ملک یمین ہے۔ اُس کا تعلق دہنے ہاتھ سے ہے تو حضور غلاموں کو دیں گے جو غلام نہیں ہے وہ محروم رہے گا۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

بندۂ خود خواند احمد در رشاد
جملہ عالم را بخواں قل یاعباد

"اپنا بندہ کہ کر پکارا ہے احمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عالم کو، قل یاعبادی میں۔"

گفت ما دو بندگانِ کوئے تو
کردمش آزاد ہم برروئے تو

"حضرت صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ میں اور بلال دونوں ہی آپ کے در کے بندہ ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کنت عبدہ وخادمہ میں حضور کا عبد اور خادم ہوں۔اور یہ آیت: مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ (سُوْرَۃُ اٰلِ عمران، آیت۷۹)۔ یہ رد میں نصرانیوں کے ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا رب کہتے ہیں۔

یہاں وہ عبدیت جو مقابل میں رب کے ہوتی ہے اُس کا انکار ہے۔ وہ عبدیت جو مقابل میں سید و مولیٰ کے ہوتی ہے وہ نہیں۔ اس عبدیت کا ذکر خود قرآن و حدیث میں بکثرت موجود: وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ ۚ (سُوْرَۃُ البَقَرۃ، آیت۱۷۷)۔ "اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں اور گردنیں چھڑانے میں (غلاموں کے آزاد کرانے میں)۔" چنانچہ شرع میں مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جسے مقررہ رقم ادا کرنے پر آزاد کرنے کا آقا اقرار کرتا ہے اور اس کے یے غلام محنت اور مزدوری اور سوال کرتا ہے اور مدبر اُس غلام کو کہتے ہیں جسے آقا اپنے انتقال پر آزاد ہونے کا اعلان کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى (سُوْرَۃُ البَقَرۃ، آیت۱۷۸)۔ "اے ایمان دارو! تم پر قصاص فرض کیا گیا: آزاد کے بدلے میں آزاد، عبد (غلام) کے بدلے میں عبد، عورت کے بدلے میں عورت۔"

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا (سُوْرَۃُ النَّحل، آیت۷۵)۔ "اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے عبد مملوک کی، غلام کی جو دوسرے کی ملک ہے۔"

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ۵ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ (سُوْرَۃُ المؤمنون، آیت ۵،۶۔ سُوْرَۃُ المَعارِج، آیت۲۹، ۳۰) "اور وہ جو اپنی پارسائی کی حفاظت کرتے ہیں؛ مگر اپنی بیبیوں پر اور اپنی ملک یمیں، باندیوں پر۔"

وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ (سُوْرَۃُ النَّحل، آیت۷۱) "اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فوقیت دی ہے۔ تو جن کو یہ فوقیت دی گئی ہے وہ اپنی دولت اپنے ہاتھ کے مال (غلاموں) کو دینے والے نہیں کہ برابر ہو جائیں۔" تو آقا و غلام برابر برابر نہیں نہ دنیوی نہ روحانی یاد رہے۔

عبدیت دو طرح پر ہے: ایک وہ جو رب کے لیے ہے تو یہ خاص ہے اُسی کے لیے؛ اُس کے غیر کے لیے ہرگز نہیں۔ یہی وہ ہے جس کا ذکر آیا: مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ (سُوْرَۃُ اٰلِ عمران، آیت۷۹)۔ "کسی بشر کو یہ حق نہیں جب میں اُسے نبوت دوں تو وہ لوگوں سے کہے میرے بندے ہو جاؤ۔" یعنی مجھے اپنا رب جانو جیسے عیسائی کہتے ہیں۔ ربنا المسیح۔ ہمارے رب مسیح ہیں۔ نعوذباللہ۔

تو ہمارا رب اللہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔ یہ عبدیت خاص ہے اللہ کے لیے اور دوسری عبدیت وہ ہے جس کا ذکر ان آیات واحادیث میں آیا اس کے مقابلے میں سید و مولیٰ ہوتا ہے۔ یہ ہے وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔

حدیث ہے۔ جو عبد حق ادا کرے اللہ کا اور اپنے مولیٰ و آقا کا اُس کے لیے دونا ثواب ہے۔ تو اللہ کا حق ادا کرنا یہ ہے کہ ہم اقرار کریں۔ وہی ہمارا رب ہے لاالٰہ الا اللہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی نماز پڑھتے ہیں اور حق ادا کریں اپنے مولیٰ وسید و آقا کا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اُن پر درود و سلام پڑھیں اور اُن کی تعظیم کریں۔

تو یاد رہے کہ ملک یمیں غلام کو کہتے ہیں۔ یہی ہے وہ چیز جس کی طرف حسبِ ذیل آیات میں ارشاد فرمایا: وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۙ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ؕ (سُوْرَۃُ الواقعۃ، آیت۹۰، ۹۱)۔ "اگر مرنے والا اصحاب یمین میں سے ہے (کنایہ ہے ملک یمین سے یعنی آپ کا غلام ہے) تو سلام ہے آپ کے لیے آپ کے غلاموں کی طرف سے۔"

اور قرآن شریف میں آیا اصحاب یمین جنتی ہیں۔ تو حضور علیہ

السلام کا غلام ہونا اور آپ پر درود وسلام پڑھنا یہی جنتی ہونا ہے۔ اللھم ثبتنا علیٰ ذٰلك۔اور جو حضور علیہ السلام کے غلام نہیں یہی اصحاب الشمال ہونا ہے (بائیں طرف والا)۔ اسے قرآن شریف نے دوزخی فرمایاہے۔ نعوذباللہ عن ذٰلك۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝ (سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّر، آیت ۳۸، ۳۹) ہر جانا اپنے عمل میں گروی ہے مگر اصحابِ یمین اور جن لوگوں نے ان ایمان کو توڑدیا ہے۔ یمین کی جمع ایمان ہے اور یمین کو ہم سمجھا چکے۔ (اللہ تعالیٰ) اُن کا بیان فرماتا ہے: وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ (الیٰ آخرالآیۃ)۔(سُوْرَۃُ التَّوْبَة، آیت ۱۲، ۱۳)"اور اگر توڑدیں اپنی یمینوں کو عہد کرنے کے بعد اور تمہارے دین پر طعن کریں تو کفر کے اماموں سے لڑو؛ بے شک ان کے یمین کچھ نہیں؛ تا کہ وہ باز رہیں کیوں نہیں جنگ کرتے ہو اُن لوگوں سے جنہوں نے اپنے یمین توڑدیے۔ اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا۔" (مدینے سے نماز سے کلمہ طیبہ سے وغیرہ وغیرہ)

تو خیال رہے یمین بمعنی قسم بمعنی غلامیِ محمد رسول اللہ ﷺ اُن پر ایمان لانا اِنھم لا ایمان لھم۔ ان کے لیے یمین نہیں یعنی یہ حضور علیہ السلام کے ملک یمین نہیں، اُن کی غلامی کے منکر۔ انہوں نے اُس عہد اور قسم کو توڑدیا جو حضور کی تعظیم و محبت وغلامی کے متعلق تھے ان کے یمین کچھ نہیں یعنی صرف بناوٹی اور دکھاوے کے ہیں۔ سورۂ منافقون میں فرمایا: اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ (سورۃ سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقُوْن، آیت ۲)۔ "انہوں نے اپنی یمینوں کو ڈھال بنالیا ہے۔ تو روکا انہوں نے لوگوں کو اللہ کے راستے سے۔"تو انھوں نے اپنی قسموں کو کلمات تعریف سرور کائنات ﷺ کو کلمہ محمد رسول اللہ کو اپنی ڈھال بنالیا ہے۔ یعنی اس طرح اپنے نفاق وعداوتِ رسول و وہابیت و دیوبندیت کو چھپاتے ہیں تو روکتے ہیں لوگوں کو سبیل اللہ سے اور سبیل اللہ کیا ہے۔ تو حسن بصری و۔۔۔رضی اللہ عنھما سے ہے۔ شفا میں کہ صراطِ مستقیم (سبیل اللہ) جناب محمد ﷺ ہیں۔ تو عداوتِ رسول چھپا کر لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں اور جناب سرور کائنات ﷺ سے روکتے ہیں اَللّٰھُمَّ اَعِذْنَا مِنْھُمْ جَمِیْعاً۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ (سُوْرَۃُ النَّحْل، آیت ۹۲) "اور نہ ہو جاؤ اُس بے وقوف احمق عورت کی مانند جس نے سوت کاتا اور پھر اُسے پارہ پارہ کر دیا۔"

یعنی نماز وروزہ وحج وزکوٰۃ کو توہینِ نبی ﷺ سے بے کار وبرباد نہ کردو۔ اس آیت میں اَنْكَاثًا قابل غور ہے، جسے مناسبت ہے آیۂ کریمہ اِنَّ الَّذِيْنَ نَكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ سے اور نکث یمین (قسم توڑنا یمین توڑدینا) یہی وہ چیز ہے جس کی طرف اشارہ فرمایا: یُصِرُّون علی الحنث العظیمہ۔ "قسم توڑنے پر یمین توڑنے پر بہت اصرار کرتے تھے۔" یہ ہیں اصحاب الشمال۔

ومن یھدہ اللہ فھو المھتد ومن یضللہ فلن تجد لہ ولیا مرشدا

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد

وآلہ وصحبہ اجمعین وبارك وسلم۔

* * * * *

وفیات

سجّادہ نشین آستانۂ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف پیرِ طریقت حضرت علامہ سید محمد اظہار اشرف الاشرفی الجیلانی، مولانا حسن امام صدیقی (شاگردِ علامہ ہاشم فاضلی شمسی) اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹر نیشنل، کراچی (ٹرسٹ) کے جوآئنٹ سیکریٹری پروفیسر دلاور خاں صاحب کے چچا انتقال فرماگئے ہیں۔ انا للہ وانّا الیہ راجعون۔ ادارے کے جملہ اراکین ان تمام مرحومین کی مغفرت وبلندیِ درجات اور تمام لواحقین کے صبر جمیل کے لیے دعا گو ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت

علامہ سید شاہ تراب الحق قادری (کراچی، پاکستان)

خاندانی حالات

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت مولانا حافظ شاہ محمد احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بن مولانا نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں بن حافظ کاظم علی خاں بن شاہ محمد اعظم خاں بن شاہ محمد سعادت یار خاں بن شاہ محمد سعید اللہ خاں علیہم الرحمۃ آپ کے جدِّ اعلیٰ حضرت شاہ محمد سعید اللہ خاں علیہ الرحمہ قندھار افغانستان کے قبیلہ بڑہیچ کے پٹھان تھے۔ مغلیہ دورِ حکومت میں لاہور تشریف لائے اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے، لاہور کا شیش محل ان کی جاگیر تھا، لاہور سے آپ دہلی تشریف لائے آپ کی بہادری پر آپ کو شجاعت جنگ کا خطاب بھی ملا، ان کے صاحبزادہ حضرت شاہ محمد سعید یار خاں علیہ الرحمہ کو مغلیہ سلطنت نے ایک جنگی مہم سر کرنے روہیل کھنڈ بھیجا جس میں آپ نے فتح پائی اور پھر یہیں آپ کا وصال ہوا ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد اعظم خان علیہ الرحمۃ پہلے تو حکومتی عہدے پر فائز رہے، لیکن پھر امورِ سلطنت سے سبک دوشی حاصل کرکے عبادت وریاضت میں مشغول رہنے لگے اور آپ نے شہر بریلی کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنالیا۔ اس شہر بریلی میں مولانا شاہ محمد نقی علی خاں علیہ الرحمہ کے یہاں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ولادت ہوئی اور آج تک آپ کے خاندان کے افراد یہیں آباد ہیں۔

ولادت

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت مولانا حافظ شاہ محمد احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کی ولادت ۱۰ شوّال المکرّم ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۴؍جون ۱۸۵۶ء بروز ہفتہ بوقت ظہر، محلّہ جسولی بریلی شریف انڈیا میں ہوئی۔ آپ کا نام محمد رکھا گیا جبکہ آپ کے جدِّ امجد حضرت علامہ رضا علی خاں علیہ الرحمہ نے "احمد رضا" تجویز فرمایا اور تاریخی نام المختار (۱۲۷۲ھ) ہوا، جبکہ خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے غلامی رسول کے اظہار کے لیے اپنے نام سے پہلے عبد المصطفیٰ کا اضافہ فرمایا اور اپنا سن ولادت اس آیتِ مبارکہ سے نکالا: أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ (سورہ مجادلہ، آیت ۲۲، پارہ ۲۸) "یعنی یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی ہے۔" خود ہی ارشاد فرماتے ہیں، "بحمد اللہ تعالیٰ بچپن سے مجھے نفرت ہے اعداء اللہ سے، اور میرے بچوں کو بھی بفضل اللہ تعالیٰ عداوتِ اعداء اللہ گھٹی میں پلادی گئی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ وعدہ بھی پورا ہوا اولئك كتب فی قلوبهم الایمان۔ بحمد اللہ تعالیٰ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لاالٰہ الا اللہ (جل جلالہ) دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ (ﷺ)" اور اس پر مستزاد یہ تمنا کہ:

کروں تیرے نام پہ جاں فدا
نہ بس ایک جاں دوجہاں فدا
دوجہاں سے بھی نہیں جی بھرا
کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

اور پھر اپنے اجداد کی فضیلت اور برکات کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں: "یہ سب برکات ہیں حضرت جدِّ امجد علیہ الرحمہ کی، قرآنِ عظیم میں خضر علیہ السلام کے واقعے میں ہے کہ دو یتیم ایک مکان میں رہتے تھے اس کی دیوار گرنے والی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا، خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو سیدھا کردیا۔ اس واقعے میں فرمایا جاتا ہے: وکان ابوهما صالحا (سورۂ کہف آیت ۸۲، پارہ ۱۶) یعنی ان کا باپ نیک آدمی تھا، اس کی برکت سے یہ رحمت کی گئی۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ باپ ان کی چودھویں پشت میں تھا۔ صالح باپ کی یہ برکات ہوتی ہیں تو یہاں تو ابھی تیسری ہی پشت ہے دیکھیے کب تک برکات اس سلسلہ میں ہیں۔" (الملفوظ حصّہ سوم)

تعلیم

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ابتدائی تعلیم کچھ حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ سے اور اکثر کتب اپنے والدِ ماجد

حضرت مولانا محمد نقی علی خاں علیہ الرحمہ سے پڑھیں، نیز چند ایک کتب کا درس حضرت مولانا سید ابوالحسین احمد نوری اور حضرت مولانا عبدالعلی رامپوری علیہ الرحمہ سے بھی لیا۔

آپ نے اپنے والدِ ماجد اور اساتذہ سے مندرجہ ذیل اکیس علوم کی تعلیم حاصل کی:(۱) علمِ قرآن، (۲) علمِ تفسیر، (۳) علمِ حدیث، (۴) اصولِ حدیث، (۵) کتبِ فقہِ حنفی، (۶) کتبِ فقہ شافعی و مالکی و حنبلی، (۷) اصولِ فقہ، (۸) جدلِ مہذب، (۹) علمِ العقائد والکلام (جو مذاہبِ باطلہ کی تردید کے لیے ایجاد ہوا)، (۱۰) علمِ نحو، (۱۱) علمِ صرف، (۱۲) علمِ معانی، (۱۳) علمِ بیان، (۱۴) علمِ بدیع، (۱۵) علمِ منطق، (۱۶) علمِ مناظرہ، (۱۷) علمِ فلسفہ مدلسہ، (۱۸) ابتدائی علمِ تکسیر، (۱۹) ابتدائی علمِ ہیئت، (۲۰) علمِ حساب تاجمع، تفریق، ضرب، تقسیم، (۲۱) ابتدائی علمِ ہندسہ۔ (سوانح اعلیٰ حضرت، صفحہ ۹۸)

جبکہ مندرجہ ذیل علوم آپ نے بغیر کسی استاد محض اپنی خداداد ذہانت اور صلاحیت سے حاصل کیے:(۲۲) قرأت، (۲۳) تجوید، (۲۴) تصوّف، (۲۵) سلوک، (۲۶) علمِ اخلاق، (۲۷) اسماء الرجال، (۲۸) سیر، (۲۹) تواریخ، (۳۰) لغت، (۳۱) ادب مع جملہ فنون، (۳۲) ارثماطیقی، (۳۳) جبر ومقابلہ، (۳۴) حساب ستینی، (۳۵) لوغارثمات (لوگارثم)، (۳۶) علم التوقیت، (۳۷) مناظرہ، (۳۸) علم الاکر، (۳۹) زیجات، (۴۰) مثلث کُروی، (۴۱) مثلث مسطح، (۴۲) ہیئت جدیدہ (انگریزی فلسفہ)، (۴۳) مربعات، (۴۴) منتہی علم جفر، (۴۵) علم زائرچہ، (۴۶) علمِ فرائض، (۴۷) نظم عربی، (۴۸) نظم فارسی، (۴۹) نظم ہندی، (۵۰) انشاء نثر عربی، (۵۱) انشاء نثر فارسی، (۵۲) انشاء نثر ہندی، (۵۳) خط نسخ، (۵۴) خط نستعلیق، (۵۵) منتہی علم حساب، (۵۶) منتہی علم ہیئت، (۵۷) منتہی علم ہندسہ، (۵۸) منتہی علم تکسیر، (۵۹) علم رسم خط قرآن مجید۔ (سوانح اعلیٰ حضرت، صفحہ ۹۹)

مذکورہ بالا ۵۹ علوم و فنون میں سے پچاس فنون پر آپ کی تصانیف موجود ہیں ذہانت کا یہ عالم تھا کہ دورانِ تعلیم صرف آٹھ برس کی عمر میں علم نحو کی کتاب "ہدایت النحو" کی شرح عربی زبان میں لکھ دی اور محض تیرہ سال دس ماہ اور پانچ دن کی عمر شریف میں مروجہ علوم فنون کی تکمیل کر کے ۱۴/ شعبان ۱۲۸۶ھ بمطابق ۱۹/ نومبر ۱۸۶۹ء کو سند فراغت حاصل کی، اسی روز مسئلۂ رضاعت پر ایک فتویٰ تحریر فرما کر والدِ ماجد کی خدمت میں پیش کیا، والد ماجد نے لائق اور ذہین بیٹے کی تحریر اور فتویٰ ملاحظہ فرما کر تحسین فرمائی اور اس دن سے فتویٰ نویسی کی خدمت آپ کے سپرد کر دی۔

دینی علوم کے علاوہ دنیاوی علوم میں بھی آپ کو وہ مہارت حاصل تھی کہ بڑے بڑے ماہر فن آپ کے سامنے طفل مکتب نظر آتے تھے۔ چنانچہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر جنہوں نے ہندوستان کے علاوہ یورپ کے ممالک میں تعلیم پائی تھی اور ریاضی میں کمال حاصل کیا تھا اور ہندوستان میں کافی شہرت رکھتے تھے اتفاق سے ان کو ریاضی کے کسی مسئلے میں اشتباہ ہوا۔ ہر چند کوشش کی مگر وہ مسئلہ حل نہ ہوا، چونکہ صاحبِ حیثیت تھے اور علم کے شائق، اس لیے قصد کیا کہ جرمن جا کر اس کو حل کریں۔ حسنِ اتفاق سے انہوں نے حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی (علیگڑھ) سے اس کا ذکر کیا۔ مولانا نے مشورہ دیا کہ آپ بریلی جا کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے دریافت کیجیے انشاء اللہ تعالیٰ وہ ضرور حل کر دیں گے، وائس چانسلر صاحب نے کہا کہ مولانا یہ آپ کیا فرما رہے ہیں میں کہاں کہاں تعلیم پا کر نہیں آیا ہوں اور حل نہ کر سکا اور آپ ان صاحب کا نام لیتے ہیں جنہوں نے غیر ممالک میں تو کجا اپنے شہر کے کالج میں بھی تعلیم حاصل نہ کی وہ بھلا کیا حل کر سکتے ہیں۔ دو چار روز کے بعد مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے ان کو پریشان دیکھ کر دوبارہ یہی مشورہ دیا، لیکن وائس چانسلر صاحب نے کہا وہ کیا حل کر سکتے ہیں اور یورپ جانے کا سامان شروع کر دیا۔ مولانا موصوف نے جب تیسری بار بریلی جانے کو فرمایا تو وہ غصّہ بھرے لہجے میں بولے کہ مولانا عقل بھی کوئی چیز ہے۔ آپ مجھے کیسی رائے دے رہے ہیں۔ اس پر مولانا نے کہا کہ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔ اتنے بڑے سفر کے مقابلے میں بریلی جانا تو کوئی چیز نہیں۔ علی گڑھ سے سیدھی گاڑی جاتی ہے؛ چند گھنٹے کا سفر ہے۔ آپ وہاں ہو تو آیئے پھر تو ان کی سمجھ میں بھی بات آگئی۔ چنانچہ مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب ان کو لے کر مارہرہ شریف پہنچے اور وہاں سے اعلیٰ حضرت کے پیرزادہ والا درجت حضرت سید مہدی حسن صاحب سجادہ نشین کو لے کر بریلی شریف

اعلیٰ حضرت کے دولت کدے پر پہنچے۔ اعلیٰ حضرت نے مزاج پرسی فرمائی اور آنے کی غرض دریافت کی، وائس چانسلر صاحب نے بتایا کہ میں ریاضی کا ایک مسئلہ پوچھنے آیاہوں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا پوچھیے، وائس چانسلر صاحب نے کہا کہ وہ ایسی بات نہیں ہے جسے میں اتنی جلدی عرض کردوں اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ کچھ تو کہیے، وائس چانسلر صاحب نے مسئلہ بتایاتو اعلیٰ حضرت نے سنتے ہی فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے۔ یہ سن کر ان کو حیرت ہوگئی اور گویا آنکھ سے پردہ اٹھ گیا۔ بے اختیار بول اُٹھے کہ میں سنا کرتا تھا کہ عِلْمِ لَدُنّی بھی کوئی چیز ہے آج آنکھ سے دیکھ لیا۔ میں تو اس مسئلے کے حل کے لیے جرمن جانا چاہتا تھا کہ ہمارے پروفیسر صاحب جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے میری رہبری فرمائی۔ مجھے جواب سن کر تو ایسا معلوم ہورہاہے گویا جناب اسی مسئلے کو کتاب میں دکھ رہے تھے۔ سنتے ہی فی البدیہہ تشفی بخش نہایت اطمینان کا جواب دیا۔ پھر وائس چانسلر صاحب بہت شاداں وفرحاں علیگڑھ واپس ہوئے (سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۳)۔ فنِّ توقیت میں آپ کو جو ملکہ حاصل تھا اس کا ذکر حضرت علامہ بدرالدین احمد اس طرح کرتے ہیں: "فنِ توقیت میں اعلیٰ حضرت کے کمال کا یہ عالم تھا کہ سورج آج کب نکلے گا اور کس وقت ڈوبے گا اس کو بلا تکلف معلوم کرلیتے، ستاروں کی معرفت اور ان کی چال کی شناخت پر اس قدر عبور تھا کہ رات میں تارا اور دن میں سورج دیکھ کر گھڑی ملالیا کرتے اور وقت بالکل صحیح ہوتا ایک منٹ کا بھی فرق نہ پڑتا۔"

اولاد

۱۲۹۱ھ میں آپ کی شادی ہوئی، آپ کے یہاں دو صاحبزادے، حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضاخاں اور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضاخاں اور پانچ صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

شرفِ بیعت

۱۲۹۵ھ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، اپنے والد ماجد حضرت علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ کے ہمراہ مارہرہ شریف گئے اور وہاں حضرت علامہ مولانا سیّد شاہ آلِ رسول احمدی علیہ الرحمہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ آپ کے پیر ومرشد نے بیعت فرماتے ہی آپ کو تمام سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

تدریس

تحصیل علم کے فوراً بعد آپ نے تدریس اور افتاء کی طرف توجہ فرمائی۔ چونکہ بریلی شریف میں اس وقت کوئی مدرسہ نہیں تھا چنانچہ طلباء اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی طرف رجوع کرتے، انہیں دنوں کا ایک واقعہ ملک العلما حضرت علامہ محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ اپنی تصنیف "حیات اعلیٰ حضرت" میں اس طرح بیان فرماتے ہیں: "اسی زمانے کا ایک واقعہ جناب مولوی محمد شاہ خاں عرف ننھن خاں صاحب بیان فرماتے تھے کہ ایک دن تین طالب علم نئے آئے اور اعلیٰ حضرت سے پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا، میں نے دریافت کیا کہ کہاں سے آپ لوگ آئے ہیں، اس سے پہلے کہاں پڑھتے تھے وہ لوگ بولے دیوبند میں پڑھتے تھے وہاں سے گنگوہ گئے، اس کے بعد یہاں آئے ہیں میں نے کہا کہ یوں تو طلبا کو یہ مرض ہوتا ہے کہ وہاں پڑھائی بہتر ہے اسی لیے ایک جگہ جم کر بہت کم پڑھتے ہیں بلکہ دو چار جگہ جا کر ضرور دیکھا کرتے ہیں، مگر یہ عموماً ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں کی تعریف انسان سنتا ہے لیکن میرے خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ آپ لوگوں نے دیوبند یا گنگوہ میں بریلی کی تعریف سنی ہو، اور اس وجہ سے یہاں کے مشتاق ہو کر تشریف لائے ہوں۔ بولے یہ آپ ٹھیک کہتے ہیں، اختلافِ مذہب واختلافِ خیال کی وجہ سے اکثر تو بریلی کی برائی ہی ہوا کرتی تھی، مگر ٹیپ کا بند یہ ضرور ہوتا کہ قلم کا بادشاہ ہے جس مسئلہ پر قلم اٹھادیا پھر کسی کی مجال نہیں کہ ان کے خلاف کچھ لکھ سکے، یہی دیوبند میں سنا اور یہی گنگوہ میں بھی۔ تو ہم لوگوں کے دلوں میں شوق وذوق ہوا کہ وہیں چل کر علم حاصل کرنا چاہیے جن کے مخالفین، فضل وکمال کی گواہی دیتے ہیں۔"

سفرحج وزیارت

۱۲۹۵ھ میں اعلیٰ حضرت اپنے والدِ ماجد کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، جہاں آپ نے اکابر علما عرب سے سندِ حدیث حاصل فرمائی، ایک دن آپ مقامِ ابراہیم پر نماز ادا فرمارہے تھے کہ نماز کے بعد امامِ شافعیہ حضرت حسین بن صالح جمال اللیل نے بغیر کسی تعارف کے آپ کا ہاتھ تھاما اور اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی پکڑ کر فرمایا "اِنِّیْ لَاَجِدُ نُوْرَ اللّٰہِ فِیْ ھٰذَا الْجَبِیْنَ"۔ "بے شک میں اللہ کا نور اس پیشانی میں پاتا ہوں۔" اور صحاحِ ستہ اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت اپنے دستِ مبارکہ سے لکھ کر

عنایت فرمائی، اس سند کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری تک فقط گیارہ واسطے ہیں۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت، صفحہ ۱۳۳)۔ دوسرا حج آپ نے ۱۳۲۳ھ میں اپنی اہلیہ، برادرِ اصغر حضرت مولانا محمد رضا خاں اور فرزندِ اکبر حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں علیہم الرحمہ کے ساتھ فرمایا، اس بار جب مدینۂ منورہ حاضر ہوئے تو شوقِ دیدار میں دیر تک مواجہہ اقدس کے سامنے درود شریف پڑھتے رہے، اس یقین کے ساتھ کہ سرکار ابد قرار عزّت افزائی فرمائیں گے؛ لیکن پہلی شب ایسانہ ہوا تو کچھ کبیدہ خاطر ہو کر ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اس کے مقطع میں اسی تڑپ کی طرف اشارہ کیا، فرماتے ہیں:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

یہ غزل مواجہہ اقدس میں عرض کر کے انتظار میں مؤدب بیٹھے تھے کہ قسمت جاگ اٹھی اور چشمِ سر سے بیداری میں سرکار ابد قرار ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

اتباعِ شریعت

اتباعِ شریعت کا اس قدر التزام فرماتے کہ فرائض اور واجبات تو کجا سنن اور مستحبات پر بھی ہر ممکن عمل فرماتے۔ چنانچہ سیّد ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز فجر کی نماز پڑھانے کے لیے آنے میں اعلیٰ حضرت کو کچھ دیر ہو گئی، نمازیوں کی نگاہیں بار بار کاشانۂ اقدس کی طرف اٹھ رہی تھیں، اسی اثنا میں اعلیٰ حضرت جلد جلد تشریف لائے، اس وقت قناعت علی صاحب نے مجھ پر اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ اس تنگ وقت میں دیکھنا یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مسجد میں پہلے دایاں قدم رکھتے ہیں یا بایاں، مگر قربان اس ذات کے کہ دروازۂ مسجد کے زینے پر جس وقت قدم مبارک پہنچا ہے تو سیدھا، تو سیعی فرشِ مسجد پر قدم پہنچتا ہے تو دایاں اور اسی پر بس نہیں ہر صف پر تقدیم داہنے ہی قدم سے فرمائی یہاں تک کہ محراب میں مصلے پر قدم پاک سیدھا ہی پہنچتا ہے اور اسی پر کہاں منحصر ہے بینی پاک کرنے اور استنجا فرمانے کے سوا حضور کے ہر فعل کی ابتدا سیدھے ہی جانب سے ہوتی تھی۔ اگر کسی کو کوئی شے دینا ہوتی اور اس نے الٹا ہاتھ لینے کو بڑھایا، فوراً اپنا دست مبارک روک لیتے اور فرماتے سیدھے ہاتھ میں لیجیے، الٹے ہاتھ سے شیطان لیتا ہے۔ اعدادِ بسم اللہ شریف ۷۸۶ عام طور سے لوگ جب لکھتے ہیں تو ابتدا "۷" سے کرتے ہیں پھر "۸" لکھتے ہیں اس کے بعد "۶"؛ مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سیدھی طرف سے ابتداء کرتے ہوئے پہلے "۶" تحریر فرماتے پھر "۸" اور اس کے بعد "۷" تحریر فرماتے۔

قوّتِ حافظہ

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے مثال قوّتِ حافظہ عطا فرمائی تھی؛ چنانچہ علامہ محمد ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں کہ:

"اعلیٰ حضرت ایک مرتبہ پیلی بھیت تشریف لے گئے اور حضرت استاذی مولانا وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ کے مہمان ہوئے۔ اثنائے گفتگو میں عقود الدر یۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کا ذکر نکلا، حضرت محدّث سورتی صاحب نے فرمایا: "میرے کتب خانہ میں ہے۔" اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت کے کتب خانے میں کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا، اور ہر سال معقول رقم کی نئی نئی کتابیں آیا کرتی تھیں، مگر اس وقت تک "عقود الدریہ" منگوانے کا اتفاق نہ ہوا تھا، اعلیٰ حضرت نے فرمایا: "میں نے نہیں دیکھی ہے، جاتے وقت میرے ساتھ کر دیجیے گا۔" حضرت محدث سورتی صاحب نے بخوشی قبول کیا، اور کتاب لا کر حاضر کر دی۔ مگر ساتھ ساتھ فرمایا کہ جب ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیجیے گا۔ اس لیے کہ آپ کے یہاں تو بہت کتابیں ہیں؛ میرے پاس یہی گنتی کی چند کتابیں ہیں، جن سے فتویٰ دیا کرتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اچھا۔ اعلیٰ حضرت کا قصد اسی دن واپسی کا تھا، مگر اعلیٰ حضرت کے ایک جاں نثار مرید نے حضرت کی دعوت کی، اس وجہ سے رک جانا پڑا۔ شب کو اعلیٰ حضرت نے عقود الدریہ کو جو ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں تھی، ملاحظہ فرمالیا۔ دوسرے دن دوپہر کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر گاڑی کا وقت تھا۔ بریلی شریف روانگی کا قصد فرمایا۔ جب اسباب درست کیا جانے لگا تو عقود الدریہ کو بجائے سامان میں رکھنے کے فرمایا کہ محدث صاحب کو دے آؤ، مجھے تعجب ہوا کہ قصد لے جانے کا تھا، واپس کیوں فرمارہے ہیں؟ لیکن کچھ بولنے کی ہمت نہ ہوئی؛ حضرت محدث سورتی صاحب کی خدمت میں میں نے حاضر کی، وہ اعلیٰ حضرت سے ملنے اور اسٹیشن تک ساتھ جانے کے لیے

اپنے مکان سے تشریف لا ہی رہے تھے کہ میں نے اعلیٰ حضرت کا ارشاد فرمایا ہوا جملہ عرض کیا، فرمایا: تم کتاب لیے میرے ساتھ واپس چلو میں اس کتاب کو لیے ہوئے حضرت محدث صاحب کے ساتھ واپس ہوا۔ حضرت محدث صاحب نے اعلیٰ حضرت سے کہا کہ میرا یہ کہنا کہ "جب ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیجیے گا" ملال ہوا کہ اس کتاب کو واپس کیا۔ فرمایا: "قصد بریلی ساتھ لے جانے کا تھا، اور اگر کل ہی جاتا تو اس کتاب کو ساتھ لیتا جاتا، لیکن جب کل جانا نہ ہوا تو شب میں اور صبح کے وقت پوری کتاب دیکھ لی اب لے جانے کی ضرورت نہ رہی۔" حضرت محدث سورتی صاحب نے فرمایا: بس ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہو گیا؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ دو تین مہینہ تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہو گی، فتاویٰ میں لکھ دوں گا اور مضمون تو انشاء اللہ عمر بھر کے لیے محفوظ ہو گیا۔" (حیاتِ اعلیٰ حضرت)۔ نیز ایک روز ارشاد فرمایا کہ بعض ناواقف لوگ میرے نام کے ساتھ حافظ لکھ دیا کرتے ہیں حالانکہ میں حافظ نہیں ہوں، ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر کوئی حافظ صاحب کلام پاک کا ایک رکوع ایک بار پڑھ کر سنادیں وہ مجھے یاد ہو جائے گا، وہ دوبارہ مجھ سے سن لیں، یہ کہہ کر اسی دن سے دور شروع فرمادیا اور تیس دن میں تیس پارے سنادیے۔ یوں ایک ماہ میں پورا قرآنِ مجید حفظ کر لیا۔

علمِ ریاضی میں مہارت

علمِ ریاضی میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی مہارت کا ایک واقعہ تو پڑھ چکے اسی کتاب سے ایک اور واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیں: ایک مرتبہ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے علم المربعات کا ایک سوال اخبار دبدبۂ سکندری رامپور میں شائع کرایا کہ کوئی ریاضی دان صاحب اس کا جواب دیں، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے جب ملاحظہ فرمایا تو اس کا جواب تحریر فرمایا اور ساتھ ساتھ اسی فن کا ایک سوال بھی جواب کے لیے تحریر فرمایا۔ وہ جواب اور پھر سوال چھپا تو ڈاکٹر صاحت کو حیرت ہوئی کہ ایک عالمِ دین بھی اس علم کو جانتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اس کا جواب اخبار دبدبۂ سکندری میں چھپوایا، اتفاق سے وہ جواب غلط تھا، اعلیٰ حضرت نے اس کی تغلیط کی، متحیر تو ڈاکٹر صاحب پہلے ہی تھے اب ان کو سخت تعجب ہوا کہ ایک عالمِ دین صرف جانتا ہی نہیں، بلکہ اس میں کمال رکھتا ہے۔ یہ دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو اعلیٰ حضرت سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ چنانچہ خط کے ذریعے اعلیٰ حضرت سے اجازت طلب کر کے ڈاکٹر صاحب بریلی شریف حاضر ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں اکثر اشکال مثلث اور دوائر کے بنے تھے، ڈاکٹر صاحب کو دکھایا، ڈاکٹر صاحب نے نہایت حیرت اور استعجاب سے اسے دیکھا اور بالآخر فرمایا کہ میں نے اس علم کو حاصل کرنے کے لیے غیر ممالک کے اکثر سفر کیے، مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہ ہوئیں میں تو اپنے آپ کو بالکل طفلِ مکتب سمجھ رہا ہوں، مولانا یہ تو فرمائیے آپ کا اس فن میں استاد کون ہے، اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا، میرا کوئی استاد نہیں ہے، میں نے اپنے والدِ ماجد علیہ الرحمہ سے صرف چار قاعدے جمع، تفریق، ضرب، تقسیم محض اس لیے سیکھے کہ ترکہ کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے، شرح چغمینی شروع کی تھی کہ حضرت والدِ ماجد نے فرمایا، کیوں اپنا وقت اس میں صرف کرتے ہو، مصطفیٰ پیارے ﷺ کی سرکار سے یہ تم کو خود ہی سکھادیے جائیں گے۔ چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں سرکار ﷺ کا کرم ہے۔

کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے غلبۂ علم کا یہ عالم تھا کہ جب صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی مصنف "بہارِ شریعت" نے قرآنِ مجید کے صحیح اردو ترجمے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے عرض کی تو اعلیٰ حضرت نے کثیر مشاغلِ دینیہ کی وجہ سے فرصت نہ پاتے ہوئے فرمایا کہ اتنا وقت تو نہیں، لیکن شام میں کاغذ قلم اور دوات لے کر آجایا کریں۔ چنانچہ حضرت صدرالشریعہ حاضر ہو جاتے اور جتنا ممکن ہوتا اعلیٰ حضرت بغیر کسی تفسیر ولغت کے فی البدیہہ ترجمہ ارشاد فرماتے جاتے، جیسے کوئی حافظِ قرآن فر فر قرآنی آیات پڑھتا جاتا ہے۔ بعد میں صدر الشریعہ اس ترجمے کو دیگر تفاسیر سے ملاتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ فی البدیہہ ترجمہ معتبر تفاسیر کے عین مطابق ہے۔

تصانیف

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے تقریباً ۵۰ علوم و فنون پر ایک ہزار سے زائد کتب تصنیف فرمائیں۔ ان علوم میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ جن کے آپ موجد تھے اور بعض ایسے کے آپ کے وصال کے بعد اب

ان علوم کی ادنیٰ معلومات رکھنے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا۔ نیز مختلف فنون کی ڈیڑھ سو کے قریب مشہور کتابوں پر آپ نے حواشی تحریر فرمائے جو کسی طرح بھی مستقل تصانیف سے کم نہیں۔

آپ کا ترجمۂ قرآن کنزالایمان، آپ کی قرآن فہمی کا بین ثبوت ہے، جبکہ میدانِ فقاہت اور تحقیق میں آپ کا عظیم علمی شاہکار آپ کا مجموعۂ فتاویٰ، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، جو پرانی طباعت میں جہازی سائز کی ۱۲ جلدوں پر مشتمل اور کئی ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے جبکہ جدید طباعت میں ۳۰ جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپ کے فتاویٰ کو دیکھ کر مکۂ مکرمہ کے جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا سید اسماعیل بن سید خلیل علیہما الرحمہ کو کہنا پڑا کہ: ''اگر امام اعظم ابو حنیفہ اس ہستی کو دیکھتے تو اپنے اصحاب میں شامل فرمالیتے۔''

اور آپ کا تیسرا شاہکار آپ کا مجموعۂ نعت ''حدائق بخشش'' ہے جو فنِّ شاعری میں اپنی مثال آپ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کو جتنے بھی علوم حاصل تھے ان میں سے بہت کم حصّہ کسبی تھا اکثر علوم وفنون وہبی اور عطائی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کیسا ہی سوال آتا، چاہے اس کا تعلق لوگارثم، فلکیات، ارضیات، معدنیات، طب، معاشیات، بینکاری، جغرافیہ، عمرانیات کسی شعبے سے ہوتا یہ نہ کہا جاتا کہ اس شعبے سے ہمارا تعلق نہیں، بلکہ اس کا ایسا تسلی بخش جواب دیا جاتا کہ اس فن کے ماہر دیکھ کر حیران رہ جاتے اور اس طرح نہ صرف لوگوں کی رہنمائی فرمائی بلکہ اس دور میں اٹھنے والے فتنوں کا سدِّباب کیا جبکہ اس وقت مسلمانانِ پاک وہند کے مذہبی، سیاسی، معاشی، اور تمدنی نظریات روایات پر تابر توڑ حملے کیے جارہے تھے ایک طرف برسہابرس سے قائم مسلمانوں کے عقائد اور معمولات کو کفر اور شرک ٹھہرایا جانے لگا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاتم النبیین ہونے کے نئے معنیٰ وضع کیے جارہے تھے، کہیں قرآن پر کہیں حدیث پر کہیں ائمہ دین پر تو کہیں اولیاء کاملین پر اعتراضات کیے جارہے تھے تو دوسری طرف مسلمانوں کو ہندوؤں کے قریب لاکر ہندوؤں کی خوشنودی کے لیے گائے کی قربانی ترک کرکے شعارِ اسلامی کو مٹانے کی کوشش کی جارہی تھی، تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے پردے میں مسلمانوں کو بے دست وپا کیا جارہا تھا، تحریکِ ہجرت چلاکر مسلمانوں کو ان کی زمینوں اور جائیدادوں سے محروم کیا جارہا تھا، انگریزی اور ہندوانہ تہذیب کو مسلط کیا جارہا تھا اور جب گاندھی نے متحدہ قومیت کا نعرہ لگایا تو بڑے بڑے نامور لوگ اس سازش کو نہ سمجھ سکے اور گاندھی کی آندھی میں بہہ گئے۔

اس وقت اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدثِ بریلوی علیہ الرحمہ ہی تھے جنہوں نے دو قومی نظریے کا عَلم بلند کیا، اور اپنی مجددانہ شان کے ساتھ ان اعدائے دین وملت کو اس طرح للکارا کہ:

کلکِ رضا ہے خنجر خوں خوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

غرض یہ کہ ہر محاذ پر آپ نے باطل اور فتنہ پرور لوگوں اور جماعتوں کا تن تنہا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور چومکھی لڑائی لڑی۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے وہ وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ جس کی مثال نہیں ملتی؛ یہی وجہ ہے کہ چوٹی کے علمائے عرب وعجم نے آپ کو چودھویں صدی کا مجدد قرار دیا۔ اگر ہم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بے مثال علمی اور تحقیقی خدمات کو ان کی ۶۵ سالہ زندگی پر تقسیم کریں تو ہر پانچ گھنٹے میں اعلیٰ حضرت اس امت کو ایک کتاب دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، بلاشبہ یہ وہ خدمات ہیں جو کوئی ادارہ اور انسٹی ٹیوٹ ہی کرسکتا ہے جسے بریلی کی سرزمین کے اس بوریہ نشیں نے تن تنہا کر دکھایا۔ سچ کہا ہے کسی نے:

وادی رضا کی کوہِ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھیے وہ علاقہ رضا کا ہے
اگلوں نے بہت کچھ لکھا ہے علم دین پر
لیکن جو اس صدی میں ہے تنہا رضا کا ہے

وصال

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے وصال سے تقریباً پانچ ماہ قبل کوہ بھوالی پر ۳ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ کو اپنے وصال کی تاریخ اس آیت کریمہ سے نکالی: ''وَیُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَکْوَابٍ۔ یعنی خدام چاندی کے برتن اور آبخورے لے کر (جنت میں) ان کے گرد گھوم رہے ہیں'' اور پھر اپنا مشن پورا کر کے ۲۵ صفر المظفر (۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) بروز جمعۃ المبارک کو ۲ بج کر ۳۸ منٹ پر، عین اذانِ جمعہ کے وقت حی علی الفلاح کا نغمۂ جاں فزا سن کر داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی اور برصغیر کی سیاسی تحریکات

ڈاکٹر محمد حسن امام

Abstract: Undoubtedly, coming in being of Pakistan was a great event. It was an astonishing revolution according to its effect & conclusions. Actually, Pakistan was neither made because of any need of time & expedience nor a support of any party (Person) or Power and result of conspiracy. But it was achievement of continuous mental and intellectual & practical efforts. Further it was a logical result of continuous events & situation after 1857. Then there is not only a single moment, so many moments and activities were behind this revolution. But this is the reality that religious, political, traditional, cultural, social, economical, psychological activities were also behind the aim of Pakistan was never only to divide Hind (Subcontinent).

قیامِ پاکستان کی تاریخ بہت قدیم ہے۔انگریزوں کی محسن کشی ظلم وستم اور فریب کاری ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ ہندوستان کے کونے کونے میں انگریز کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ ہندوستان کی بدقسمتی کہ انگریز کے پیدا کردہ غدارانِ وطن کی بدولت انگریزوں کو دوبارہ ہندوستان میں قدم جمانے کا موقع مل گیا۔ ہندوستان پر دوبارہ اقتدار حاصل ہونے کے بعد انگریز نے ۱۸۵۷ء کو جنگِ آزادی میں حصہ لینے والے محبانِ وطن کے ساتھ جو ظالمانہ برتاؤ کیا ہے وہ تاریخ کا سیاہ ترین ورق ہے۔ چونکہ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفّٰی ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۱ء/ ۲۵/ صفر ۱۳۴۰ھ) نے انگریزوں، ہندوؤں، سکھوں کے مظالم، جو اُنہوں نے ۱۸۵٦ء میں مسلمانوں کے خلاف ڈھائے تھے، کے متعلق اپنے بزرگوں سے سُن رکھا تھا اور خود ان کی آنکھوں کے سامنے بھی بہت سارے مظالم روا رکھے گئے۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ ۱۹۲۱ء میں دنیا سے رُخصت ہو گئے تھے [۱]، لیکن جو اُصول انھوں نے متعین کیے تھے اُن کے خلفا و تلامذہ اور محبین و معتقدین تک یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ انھوں نے آپ کے اصول پر چلتے ہوئے کام کیا، جو آگے چل کر تحریکِ پاکستان کا سبب بنے۔ سترھویں صدی سے اٹھارویں صدی کے نصف تک انگریز برّصغیر میں مختلف سازشوں میں مصروف رہے اور اپنے اقتدار کو بڑھانے کی کوششوں میں لگے رہے۔ جنگِ آزادی نے انگریزوں کے اقتدار اور سازشوں پر کاری ضرب لگائی۔ انگریز اس جنگِ آزادی کو غدر یعنی بغاوت کا نام دیتے ہیں، لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ انگریز جنہوں نے برّصغیر کے باشندوں کی سلطنت پر قبضہ کیا، عوام کو اپنا غلام بنا کر رکھا اور مختلف سازشوں میں مصروف رہے اور عوام ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اپنے ہی وطن سے فرنگیوں کو باہر نکالنے کی کوشش کی تو یہ بغاوت کیسے ہو گئی؟

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ برّصغیر کے باشندے اپنی گرفت کو مضبوط کرنے اور تقاضائے وقت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے انگریزوں کی سازشوں کو کچلنے کے لیے ایک قوت ہو کر سامنے آئے۔ اس جنگِ آزادی میں علماحق اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر فرنگیوں کے سامنے دیوار بن گئے اور عام لوگوں کی صرف نگرانی اور رہنمائی ہی نہیں کی بلکہ ان کے شانہ بشانہ اس جنگ کو جہاد سمجھ کر اس میں حصّہ بھی لیا۔ برّصغیر پر انگریزوں کی حکومت مسلمانوں میں عام مقبولیت حاصل نہیں کر سکتی تھی کیونکہ مسلمانوں نے اپنے سیاسی اقتدار کے اس شعور کو بیدار رکھا کہ وہ تاریخ میں حکمرانوں اور سلطنت کے معماروں کا کردار ادا کر چکے ہیں ایک غیور قوم کے لیے یہ بہت دشوار ہوتا ہے کہ وہ اپنی غلامی پر قانع ہو جائے۔ انگریز ان جذبات سے باخبر تھے۔ [۲]

برطانوی فرنگی ابتدا میں ہندوستان میں تجارت ہی کے مقصد سے آئے۔ اُنہیں جنوبی ایشیا کا علاقہ کاروباری لحاظ سے بہتر محسوس ہوا، چنانچہ اُنہوں نے یہاں کا رُخ کیا۔ شروع شروع میں انگریز نے مغلیہ سلطنت کو شکایت کا کوئی موقع نہیں دیا؛ لیکن قدم جمانے کے بعد انگریزوں نے مغل جہازوں پر قبضہ کر لیا تو عالمگیر (المتوفی ۱۷۰۷ء) نے انگریزوں سے جنگ کی اور انگریزوں کو

شکست دی۔[3]

لیکن اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنتِ مغلیہ کا زوال تیزی کے ساتھ شروع ہوا۔ سلطنتِ مغلیہ کے اس زوال کے اسباب تاریخ کے مختلف اوراق میں گم ہیں۔ مغلیہ سلطنت کے زوال اور آپس میں خانہ جنگی کی وجہ سے انگریزوں کی نیت بدل گئی اور وہ سازشوں میں مصروف ہوگئے تاکہ برّصغیر پر قبضہ کرسکیں۔ میر جعفر اور میر صادق جیسے غداروں کی موجودگی میں اُنہیں کوئی خطرہ نہ تھا۔ پلاسی اور میسور کی جنگوں میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ان کے اقتدار کو وسعت ملتی گئی۔ ان کامیابیوں کا سہرا انگریزوں کے سرباندھنا سراسر ناانصافی ہوگی؛ غداروں نے حقِ نمک خوب ادا کیا۔ سندھ اور پنجاب کے علاقوپر قبضہ کرنے کے بعد ان کا اقتدار مضبوط ہوگیا اور پورا علاقہ ان کے قبضے میں آگیا۔ انگریزوں کے خلاف جنگ یا بغاوت کرنے کے لیے مسلمانوں کو صرف یہ ایک سبب کافی تھا کہ انگریزوں نے بدعہدی، سازش اور فریب اور چال بازی سے ہندوستان پر قبضہ کیا اور ان کو حکومت، آزادی اور اختیار سے محروم کردیا۔[4]

انگریزوں سے جنگ کا ارادہ راتوں رات مجاہدین نے نہیں کیا، بلکہ اس کی کئی وجوہات تھیں جو اس جنگ کا باعث بنیں۔ ان میں مذہبی اور سیاسی حوالوں سے جنگ کے اہم اسباب قابلِ ذکر ہیں، جن پر مؤرخین نے بالتفصیل بحث کی ہے۔ یہاں موضوع کی مناسبت سے جنگِ آزادی کی وجوہات کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

مذہبی معاملات میں مداخلت

قدم جمانے کے بعد انگریزوں نے مذہبی معاملات میں بے جا مداخلت کا سلسلہ شروع کیا۔ ''ایسٹ انڈیا کمپنی کی ابتدائی حکومت میں مذہبی گفتگو کم تھی بعد میں بہت بڑھی۔''[5] انگریزوں کا منصوبہ تھا کہ برّصغیر کے تمام باشندوں کو عیسائیت کی طرف راغب کردیا جائے۔ اپنے منصوبے کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے ایسے اقدامات شروع کیے جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیے قابل قبول نہ تھے۔ برّصغیر کے دستور کہ مطابق مسجد اور مندر، عبادت گاہوں کے ساتھ ساتھ تعلیم گاہیں بھی تھیں۔ انگریزوں نے محکمۂ اوقاف و تعلیم اپنے ہاتھوں میں لے کر نصاب سے مذہبی مضامین خارج کیے اور مشنری اسکول کھولے گئے۔'' مشنری اسکول شہروں اور دیہات میں کثرت سے کھولے گئے اور انگریز حکام ترغیب دیتے تھے کہ لوگ اپنے بچوں کو ان میں بھیجیں۔ مذہبی کتابوں میں امتحان ہوتا تھا اور کم عمر بچوں سے اس قسم کے سوالات کیے جاتے تھے: تمہارا خدا کون ہے؟ تمہیں نجات دلانے والا کون ہے؟ اور بچے عیسائی مذہب کے موافق ان سوالات کا جواب دیتے تھے۔ اس پر ان کو انعام ملتا تھا۔''[6]

برّصغیر کے باشندوں کا کہنا تھا کہ انگریز یہاں پر تجارت کی غرض سے آئے تھے، لیکن اب انھوں نے ہماری جاگیر اور مذہبی معاملات پر قبضہ کرنے کے بعد نہ صرف ہمیں غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور کردیا ہے بلکہ ہمارے مذہب کو تبدیل کرنے کی بھی کوشش شروع کردی ہے، جو ناقابل قبول ہے۔

سمجھ دار لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ان مکتبوں میں چونکہ صرف اُردو میں تعلیم ہوتی ہے اس لیے بچے دین کو بھول جائیں گے اور اس کے بعد عیسائیت کی تعلیم قبول کرنا آسان ہوجائے گا۔[7] اس وقت جتنے بھی مشنری اسکول تھے ان سب میں عیسائی اساتذہ کو رکھا گیا، جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ طالب علموں کو عیسائیت کی طرف راغب کیا جائے۔ انگریزی تعلیم اور پادریوں کی اس غلط روش سے ہندو اور مسلمان دونوں یہ سمجھنے لگے تھے کہ انگریزوں کی وجہ سے اُن کا مذہب خطرے میں پڑگیا ہے۔

حکام پادریوں اور مشن کی مدد کرتے تھے۔ ان کے وعظ میں شرکت کے لیے سرکاری ملازمین کو مجبور کیا جاتا تھا اور مشنری کام کے لیے روپیہ مہیا کرتی تھی۔[8] انگریزوں کے قابض ہونے کے بعد بڑی تعداد میں عیسائی پادریوں نے برّصغیر کا رُخ کیا۔ انہیں سرکاری سرپرستی حاصل ہوتی۔ پادری شہروں اور دیہاتوں میں جلسے کرتے اور اس کے لیے لوگوں کو مجبور کیا جاتا کہ ان جلسوں میں شریک ہوں۔ انہیں پولیس اور فوج کی بھرپور مدد حاصل ہوتی۔ ان پادریوں کا موضوعِ بحث صرف عیسائیت کی تبلیغ ہی نہ ہوتا، بلکہ زیادہ تر وقت دوسرے مذاہب پر تنقید کرنے میں صرف ہوتا۔ عوام حکمرانوں کے خوف سے ان پادریوں کو کچھ نہ کہتے، لیکن ظاہر ہے ان کے دل انگریزوں کے خلاف ہوگئے اور جب آزادی کی تحریک شروع ہوئی تو عوام نے اس تحریک کا بھرپور ساتھ دیا۔

یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ اپنی فتح کے لیے اور برِّ صغیر کے باشندوں کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے انگریزوں نے کئی قوانین ایسے نافذ کیے جو مذہبی احکامات کی خلاف ورزی تصوّر کیے جاتے ہیں۔ مثلاً حکومت نے داڑھی رکھنے اور پگڑی باندھنے کی کسی سپاہی کو اجازت نہ دی تھی؛ فوجی سپاہیوں کی فاقہ کشی، چربی لگے ہوئے کارتوسوں کا استعمال وغیرہ اس کے ساتھ ساتھ فوج میں ایسے احکامات نافذ کیے، جن کے لیے فوج تیار نہ تھی۔

اکثر و بیشتر مؤرخین نے لکھا ہے کہ "ایسٹ انڈیا کمپنی تاجروں کے روپ میں رہزن ثابت ہوئی"۔ انگریزوں نے بحیثیت تجارت برِّ صغیر میں بمقام بمبئی (ممبئی)، مدارس اور بنگال کے ساحلوں پر اپنا کاروبار شروع کیا۔ مسلم حکمرانوں نے اپنی روایتی رواداری اور فراخ دلی کے ساتھ ان تاجروں کے لیے تجارتی مراعات منظور کیں۔ بعد میں انگریزوں نے اہلِ ہند کے آپس کے عدمِ تعاون سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے برّ صغیر کی سیاست میں آہستہ آہستہ داخل ہو کر ملک پر اپنا قبضہ جمالیا۔[9]

سب سے انگریزوں نے بنگال میں اپنے قدم مضبوط کیے اور مختلف سازشوں میں مصروفِ عمل رہے۔ دھوکہ دہی، مکر و فریب اور بد عہدی سے مختلف علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں کی کوشش یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کو کم زور کیا جائے تاکہ وہ خطرناک بننے کی کوشش نہ کر سکیں۔ ٹیپو سلطان (المتوفّٰی ۱۷۹۹ء) [10] کی شہادت کے بعد ان کے لیے آسانیاں ہوئیں اودھ ریاست کا ایک حصّہ چھین لیا، کرناٹک کے نواب کو بے دخل کیا، سورت کے مسلمان نواب کو رُخصت کیا اور نظام حیدر آباد کو ڈرا دھمکا کر اس کی جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں نے اپنے زیرِ اثر علاقوں میں توسیع کرنے کے لیے کسی قانون اور اُصول کے پاس کا خیال نہیں رکھا۔ چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ عوام کے دلوں میں ان کے لیے نفرت اور بیزاری کے جذبات پیدا ہونے شروع ہوگئے اور پھر انگریزوں اور مسلمانوں کے تعلقات روز بروز زیادہ خراب ہوتے چلے گئے۔ انگریز اس خاموش جنگ کو جاری رکھنے کی استطاعت رکھتے تھے کیونکہ وہ اب قوت حاصل کر کے اچھی طرح محفوظ حکمراں بن گئے تھے۔[11]

انگریزوں نے یہ محسوس کیا کہ ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ مزید علاقے ہضم کرسکتے ہیں۔ جن علاقوں پر انگریزوں نے قبضہ کیا وہاں از سرِ نو تحقیقات کی گئیں اور جاگیروں پر قبضہ کیا گیا، جس سے جاگیرداروں کے سیاسی اور معاشرتی وقار کو دھچکا لگا؛ دوسری طرف ہندو اس وجہ سے ناراض تھے کہ ان کی ریاستوں پر بھی قبضہ کرنے کے لیے ان ہندو والیانِ ملک کو جن کے اولادِ نرینہ نہ ہو، اس حق سے محروم کرنے کی پالیسی اختیار کرلی۔ انگریز اس پالیسی کے تحت ہندوؤں کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر قبضہ پہلے ہی سے کر چکے تھے۔ یہ حقیقت بھی ہے کہ جنگ کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انگریزوں نے برِّ صغیر کو معاشی طور پر بالکل کنگال کر دیا تھا۔ انگریز کو اپنی تجوریاں بھرنے کی بھی فکر تھی۔ ذیل میں چند اقتباسات درج کر رہا ہوں، جن سے یہ معلوم ہو گا کہ ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کے اسباب کیا تھے۔

انگریزوں نے شروع ہی سے مغل بادشاہوں سے کئی مراعات حاصل کیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب "اکبر، جہانگیر، شاہجہان اور عالمگیر جیسے مسلمان حکمرانوں کی حکومت انتہائی عروج پر تھی۔ برِّ صغیر کے ہر گوشے میں مغلوں کا حکم جاری تھا۔"[12] ان کا حال محصولات سے مستثنٰی ہوتا۔ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انگریزوں نے نجی تجارت شروع کر دی کیونکہ مقامی باشندوں کو پورا محصول دینا پڑتا؛ اس لیے وہ انگریزوں کا مقابلہ نہ کرسکے اور آہستہ آہستہ ان کے کاروبار ختم ہوگئے، جس سے عام لوگوں پر بھی اثر پڑا، بے روزگاری میں اضافہ ہوا۔ انگریزوں کی اجارہ داری کی وجہ سے اشیا کی قیمتوں میں اضافہ ہوا۔

فوج کو اپنی تنخواہوں اور شرائطِ ملازمت کے متعلق شکایتیں تھیں، جن میں سے ایک بڑی شکایت یہ تھی کہ ان کو ہندوستان سے باہر خدمت کرنے پر مجبور کیا جارہا تھا؛ [13] جب کہ اعلیٰ سول اور فوجی عہدے انگریزوں کے لیے مخصوص تھے۔ وہ ملازمتیں جو انگریز کرنا پسند نہ کریں وہ ہندوؤں کو دی جاتیں؛ لیکن مسلمان اس سے بھی محروم تھے اور بعد میں مسلمانوں کے لیے فوج میں بھرتی

کے دروازے بالکل بند کر دیے گئے اور دفتری زبان انگریزی بنادی گئی۔ وہ تمام لوگ جو سرکاری ملازمت کرتے تھے، لیکن انگریزی نہیں جانتے تھے، برطرف کر دیے گئے۔ ان میں زیادہ اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ سرکاری ملازمت سے محرومی سے عوام میں نفرت کے جذبات پیدا ہوئے اور وہ فرنگیوں کے خلاف ہو گئے۔

ابتدا میں انگریزوں نے عدالتوں کا وہی نظام جاری کر رکھا تھا جو مغلوں کے زمانے میں رائج تھا۔ بادشاہ نے دیوانی کی جو منظوری دی تھی یہ ان شرائط کا حصّہ تھا۔ انگریزوں کی قوت میں ترقی کے ساتھ یہ نظام بھی بدل گیا، جس کے نتیجے میں بہت سے مسلمان بے روزگار ہو گئے۔[۱۴] انگریزوں کی پالیسیوں کی وجہ سے بے روزگاری عام ہوتی گئی؛ سرکاری ملازمت حاصل کرنا ناممکن بنا دیا گیا؛ زرعی اصلاحات کے نام پر ایسے قوانین رائج کیے گئے جن کی وجہ سے اپنی ہی فصل سے محروم ہونا پڑا اور کھیتی باڑی کا پیشہ بدحالی کا شکار ہو گیا۔ انگریزی سرکار نے کسانوں پر لگان اتنا زیادہ لگا دیا جس کا ادا کرنا کسانوں کے بس میں نہ تھا۔ انگریز سرکار ان سے خون پسینے کی کمائی لگان کے نام پر حاصل کرتی اور اپنی عیاشی میں صرف کر دیتی، جب کہ اس لگان کی رقم کو ملک میں ترقی کا کام کرنے کے لیے حاصل کیا گیا تھا اور بنگال میں تو مسلمانوں کے پاس جو زمین تھیں وہ ہندو زمینداروں کو دے دی گئی۔ اس طرح کی صورتحال سے مسلمانوں کے دلوں میں انگریزی سرکار سے نفرت کے جذبات پروان چڑھے۔[۱۵]

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر مسلمانانِ برّصغیر کے دل و دماغ میں جذبۂ حب الوطنی اور آزادی کی شمع نے جگہ لی، جو آگے چل کر قیامِ پاکستان کا سبب بنی۔۔۔۔۔

حوالہ جات

۱۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، مولانا ظفر الدین بہاری،
۲۔ برّاعظم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص:۲۷۲۔
۳۔ سلطنتِ دہلی کا نظام حکومت، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، کراچی، ۱۹۸۸ء۔
۴۔ پاکستان ناگزیر تھا، سید حسن ریاض، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص:۲۲۔
۵۔ پاکستان ناگزیر تھا، سیّد حسن ریاض، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص:۲۴۔
۶۔ اسبابِ بغاوتِ ہند، سر سیّد احمد خان، کراچی، ۱۹۵۷ء، ص:۲۴۔
۷۔ پاکستان ناگزیر تھا، سید حسن ریاض، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص:۲۴۔
۸۔ پاکستان ناگزیر تھا، سید حسن ریاض، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص:۲۴۔
۹۔ برّصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علما کا کردار، ڈاکٹر ایچ بی خان، اسلام آباد، ص:۵۴۔
۱۰۔ برّصغیر پاکِ و ہند کی سیاست میں علما کا کردار، ڈاکٹر ایچ بی خان، اسلام آباد، ص:۵۴۔
۱۱۔ برّ اعظم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، کراچی۔
۱۲۔ پاکستان ناگزیر تھا، سیّد حسن ریاض، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص:۱۵۔
۱۳۔ پاکستان ناگزیر تھا، سیّد حسن ریاض، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص:۱۶۔
۱۴۔ برّصغیر پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ، اشتیاق حسین قریشی کراچی، ص:۲۷۹۔

یاغوثِ اعظم

اسیروں کے مشکل کشا غوثِ اعظم
فقیروں کے حاجت روا غوثِ اعظم
جسے خلق کہتی ہے پیارا خدا کا
اُسی کا ہے تو لاڈلا غوثِ اعظم
کیا غور جب گیارہویں بارہویں میں
معمّا یہ ہم پر کھلا غوثِ اعظم
کہے کس سے جا کر حسؔن اپنے دل کی
سُنے کون تیرے سوا غوث اعظم

(مولانا حسؔن رضا خاں بریلوی)

محدثِ بریلوی اور میاں نذیر حسین دہلوی

علامہ شمس الحسن شمسؔ بریلوی

صاحبِ ''نزہتہ الخواطر''، حکیم عبدالحی ندوی نے امامِ اہلِ سنت حضرت شاہ احمد رضاخاں قدس اللہ سرہ کی مختصر سوانحِ حیات ''نزہتہ الخواطر'' کی جلدِ ہشتم میں بیان کی ہے اور ان کے کمالات کا اظہار کرتے ہوئے یہ اعترافِ حقیقت کیا ہے کہ :یندر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقه الحنفی جزئیاته یشهد بذلك مجوع فتاواه وکتابه ''کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم'' الذی الفه فی مکته سنته ثلاثة وعشرین وثلاث مائته والف۔اس اعتراف کے ساتھ یہ بھی تحریر کیا ہے:وکان راسخاً طویل الباع فی العلوم الریاضیته والهیئتة والنجوم والتوقیت ملما الرمل والجفر مشارکاً فی اکثر العلوم اور فرماتے ہیں: قلیل البضاعتة فی الحدیث والتفسیر(''نزہتہ الخواطر''، جلدِ ہشتم ص ۴۱ مطبوعہ کراچی)

قارئین! انصاف شرط ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی علمِ حدیث میں بصیرت، ان کے تبحر اور متونِ احادیثِ مبارکہ پر ان کا آہنی استحضار، آپ سے داد طلب ہے۔میں یہاں عقیدت وارادت کی جنبہ داری اور پاسداری سے بالکل ہٹ کر چند حقائق آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں، جن سے آپ پر واضح ہو جائے گا کہ امام احمد رضا علمِ حدیث میں کس منزل پر ہیں اور ان کو متونِ احادیث (روایات) پر کیا بصورتِ روایت اور کیا بطریقِ فنِّ درایت آپ کو دسترس حاصل ہے اور علمِ حدیث کی معروف ومشہور کتب ہی نہیں بلکہ غیر متداول کتب پر وہ جو نظر رکھتے ہیں مصطلحاتِ حدیث جس طرح ان کے پیش نظر ہیں ،جرح وتعدیل وعلل پر ان کو جو کامل عبور ہے، انواعِ حدیثِ پر جس طرح وہ قلم اٹھاتے ہیں اور وجوہِ طعن سے جس طرح باخبر ہیں طبقات المحدثین جس طرح ان کے پیش نظر ہیں، اسانید کی صحت و عدمِ صحت پر جس طرح قائل بحث کرتے ہیں مختلف طرقِ حدیث، جس طرح ان کی قوت حافظہ محفوظ رکھتی ہے اور فن حدیث کا اہم رکن اسماء الرجال ان کی نظروں کی گرفت میں اس طرح تھا کہ وہ جب کسی راوی کا جائزہ لیتے اور کوئی وجہِ طعن اس میں موجود ہوتی تو وہ ان سے پوشیدہ نہ رہتی(میں آئندہ ان تمام خصوصیات کو مثالوں کے ذریعے متنِ فتاویٰ سے پیش کروں گا) کیا یہ تمام محاسن، یہ تمام خوبیاں اور فنِّ حدیث پر تبحر کی یہ تمام آیات اس پر دال نہیں ہیں کہ جس طرح علمِ فقہ ان کی طبعِ وقار کی پوری پوری گرفت میں تھا اور جس کا اعتراف ہر ایک نے کیا ہے خود صاحبِ ''نزہتہ الخواطر'' نے جس طرح اعتراف کیا ہے، علمِ حدیث میں بھی انہیں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔

قارئینِ کرام! پیشِ نظر نکات فنِّ حدیث پر امام احمد رضا نے جو دادِ تحقیق دی ہے کیا اس کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش باقی ہے کہ وہ ''قلیل البضاعتة فی الحدیث'' تھے اور اگر اس قول ''قلیل البضاعت فی الحدیث'' سے مراد یہ ہے جس کی حیثیت صرف ایک امرِ قیاسی کی ہو سکتی ہے کہ آپ درسِ حدیث میں اپنا وقت صرف نہیں کرتے تھے بلکہ تمام وقت مسائلِ فقہی کی تحقیق میں صرف فرماتے تھے تو ہمارے علمائے سلف میں ایسے ہزاروں افراد گزرے ہیں کہ وہ درسِ حدیثِ مبارکہ میں مشغول نہ ہو سکے، خود حضرت امامِ اعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کی مجلس تدوین فقہ کے محترم وبلند پایہ اراکین کی مثال سامنے ہے کہ ان میں سے ہر ایک ہستی امام وقت، سر آمد روزگار اور علمائے عصر کے سروں کا تاج تھی لیکن ان میں کوئی ایک بزرگ بھی ایسا نہیں ملے گا جو اپنا وقت درس حدیث میں صرف کرتا ہو، بلکہ مجلس تدوین فقہ میں تمام وقت تفریع مسائل اور اس کے نکات کی صحت وعدمِ صحت پر صرف ہوتا تھا اور اس طرح کتب فقہی کی تالیف و تدوین ہوتی تھی۔ خدانخواستہ (معاذ اللہ معاذ اللہ) وہ درسِ حدیث کو کم مایہ نہیں سمجھتے تھے البتہ تفریع و تخریج مسائل کا حکم ان کی نظر میں زیادہ اہمیت کا حامل تھا اور اگر اس قلیل البضاعت فی الحدیث سے صاحبِ ''نزہتہ الخواطر'' کی مراد یہ ہے کہ موضوعِ حدیثِ مبارکہ پر امام احمد رضا کی تصانیف بہت کم ہیں اس لیے وہ قلیل البضاعت ہیں تو اس عظیم اور اہم کام کا اختتام تو چوتھی صدی کے خاتمہ ہی پر ہو گیا تھا۔یہ جو کچھ سرمایہ صحاح و مسانید، معاجم وغیرہ ہے یہ سب پانچویں صدی سے قبل کی مساعیِ جمیلہ کا حاصل اور نتیجہ ہے۔

صاحبِ مفتاح السنتہ نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ: ”متقدمین اور متاخرین راویان وحاملانِ حدیث کے درمیان حدِّ فاصل تیسری صدی ہجری کا تقریباً اختتام ہے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تیسری صدی ہجری سنت کی خدمت، تحقیق اور اس کے راویوں کی تنقید کے لحاظ سے ایک نہایت مبارک صدی تھی، پھر ان کے بعد آنے والوں میں بجز چند کے سب حضرات ان ہی کے خوشہ چین ہیں کہ ان کی تصانیف، ان ہی احادیث پر مشتمل ہیں جو ان کے متقدمین جمع کر گئے تھے اور تنقیدِ روایات میں بھی یہ متاخرین اپنے متقدمین ہی پر اعتماد کرتے تھے۔“

قرنِ چہارم ہجری کے سلسلے میں صاحب ”مفتاح السنتہ“ کہتے ہیں کہ ”راویوں کی زبانوں سے سنی ہوئی احادیث و سنن کو جمع کرنا اور مسندوں سے رجال کی تنقیح اور جانچ پڑتال، پھر ان کے درجات و مراتب اور حیثیتوں کا تعین کرنا اور صحیح حدیث کا سقیم حدیث سے تمیز کرنا یہ سارے کام چوتھی صدی ہجری کے اختتام پزیر ہوتے ہوتے منتہی ہوگئے کہ اس وقت شمعِ اجتہاد بجھ رہی تھی اور ان میں تقلید کی طرف لوگوں کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ اسی لیے اس دور کی اکثر کتب (حدیث) کو تم پاؤ گے کہ ان میں یا تو صرف پہلے دور کی کتب (حدیث) کی تہذیب و تزئین کی کارگزاری ہوگی یا پراگندہ اور منتشر چیزیں ایک جگہ جمع کر دی گئی ہوں گی یا پھر غریب الفاظ کی توضیح و تحقیق ہوگی یا ترتیب میں کوئی جدت ہوگی یا اختصار، تقریب کی روش اختیار کی گئی ہوگی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چوتھی ہجری کے بعد کی اکثریت نے اسناد رواۃ کے باب میں جو کچھ کیا ہے وہ سب کا سب اس صدی کے پہلے کی صدیوں کے ائمۂ حدیث کا کیا ہوا تھا۔“ (مفتاح السنتہ، عربی سے اردو)

اب آپ ایک صراحت اسی قبیل کی ابنِ خلدون کے قلم سے بھی ملاحظہ کیجیے، علامہ ابنِ خلدون اپنی تاریخ کے مقدمے میں علم الحدیث پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں ”: ہمارے زمانے میں تخریجِ احادیث کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے اور متقدمین کی تالیفات پر استدراک کا کوئی نام بھی نہیں لیتا، یعنی کسی ایسی حدیث سے متعارف کرانے کی کوشش نہیں کی جاتی، جس کو متقدمین نے ذکر نہ کیا ہو، اس لیے کہ حالات و واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ان ائمۂ سلف نے جن کی ایک بہت بڑی تعداد تھی اور جن کے زمانے باہم ملحق تھے اور جن کی سعی وجہد اور کدوکاوش میں کوئی فروگزاشت نہیں تھی۔ حدیث وسنت کے باب میں ادنیٰ سی بھی غفلت نہیں کی اور کوئی گوشہ انہوں نے ایسا نہیں چھوڑا جہاں سے حدیث کی دریافت ہوسکتی ہو اور وہ وہاں (اس کے حصول کے لیے) نہ پہنچے ہوں، اب ان متاخرین کو اپنی تحقیق اور دریافت کی کارگزاری کا موقع کہاں سے ملے۔ اس لیے اس زمانے کے ائمۂ فن کی تمام توجہ امہات میں شمار ہونے والی تالیفات کی تصحیح اور ان کے مصنفین سے روایت کو یاد کرنے میں صرف ہوتی ہیں اور وہ بس یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے مؤلفین تک کا سلسلۂ استناد درست ہے یا نہیں اور سند میں حدیث کی مقرر شرائط اور اس کے ضوابط کے مطابق ہیں یا نہیں۔“ (مقدمہ ابنِ خلدون)

پس یہ کہنے میں تامل نہیں کہ تیسری صدی ہجری، تدوین علم حدیث کا درخشندہ دور تھا اور سنت کی خدمت کے لیے ایک بابرکت زمانہ، کہ اس زمانے میں بڑے بڑے محدثین اور بلند مرتبت مؤلفین اور نقد روایات میں مہارت تامہ رکھنے والے اربابِ فن پیدا ہوئے اور اسی قرن میں چند کتابوں کا ایک ایسا آفتاب سنت کے آسمان پر طلوع ہوا جس نے ساری دنیا کو منور کر دیا اور جن کے دامن میں معدودے چند کے سوا تمام صحیح احادیث سمٹ کر آ گئی ہیں، جن پر تفریعِ مسائل میں تمام اہلِ علم نے اعتماد کیا ہے۔ آئندہ صفحات میں جو صراحتِ صحاح، معاجم ومسانید وغیرہ کی گئی ہے، بقید نام مؤلف اور عصرِ تالیف، اس میں آپ دیکھیں گے کہ ان مؤلفینِ کرام کے سر پر تیسری صدی کا آفتاب فروزاں اور تاباں ہے۔

آپ صحاح ومسانید ومعاجم کے مصنفین میں بمشکل ہی کسی حنفی کا نامِ نامی پاسکتے ہیں ان کے مصنفین وجامعین تمام تر حضرات شوافع ہیں بالکل اسی طرح جیسے فقہ میں جو اصل دین ہے آپ کو ہزاروں کتابیں نظر آئیں گی اور ان کے جامعین اور مؤلفین تمام تر حنفی حضرات ہیں جبکہ علمائے شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ میں صرف معدودے چند حضرات آپ کو ایسے ملیں گے جو تدوینِ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ فقہِ شافعیہ میں صرف ”کتاب الام“ حضرت ادریس شافعی کی یادگار ہے یا امام غزالی کی ”الوجیز“، علامہ ابن حجر کا ”فتاویٰ الحدیثیہ“، علامہ ابوالفضل کی ”بنایۃ“، ”الغایۃ“ کی شرح ہے۔ علامہ سبکی (تقی الدین) کا فتاویٰ، علامہ سیوطی کی ”الاشباہ والنظائر“ اور امام

ابو اسحاق شیرازی کی مشہور کتاب "المہذب" اور امام النووی کا فتاویٰ معروف بہ "المسائل منثورہ" یہی چند کتبِ فقہ علمائے شوافع کی یادگار ہیں یا بعض ان کتب کی شروح ان کا فقہی سرمایہ ہیں۔

فقہِ مالکی میں دیکھیے تو ابن جزی کی کتاب "القوانین الفقہیہ فی تلخیص مذہب مالکیہ" ابن عاصم کی "تحفتہ الکلام"، ابن فرزون کی کتاب "تبصرۃ الاحکام" القوافی کی "کتاب الاحکام" یا بعض مذکورہ کتب کی شروح مذہب مالکیہ کا فقہی سرمایہ ہیں۔

فقہِ حنبلی کی طرف نگاہِ تجسس دوڑایئے تو صرف ابن قیم جوزیہ، ان کے شاگرد ابن تیمیہ اور ابن رجب (ابوالفرح عبدالرحمن) اور ابن قدامہ کی معدودے چند تصانیف ہیں، جیسے "اعلام الموقعین"، "الطرق الحکمیہ فی السیاسیۃ الشرعیۃ"، "مجموعہ رسائل کبریٰ"، "کتاب المغنی" اور بس، جبکہ فقہائے احناف کی تصانیف کا تذکرہ کئی جلدوں میں آئے گا۔ ہزاروں کتب اور ہزاروں فقہی مصنفینِ احناف آپ کو تدوینِ فقہ ومسائلِ فقہیہ کی تنقیح کی محفل میں نظر آئیں گے۔

وجہ صرف یہ ہے کہ ان محدثین کرام نے صرف تدوینِ حدیث کی طرف توجہ فرمائی اور روایت و درایت کے ضوابط و قواعد کے تحت احادیثِ کریمہ کو جمع کیا ان کی تلاش و تجسس قابلِ تحسین ہے؛ لیکن انہوں نے ان احادیث سے استنباط و تفریعِ مسائل کا کام نہیں لیا۔ یعنی ہر ایک محدث فقیہ نہیں ہوتا جبکہ اس کے برعکس مجتہدین فقہائے احناف نے احادیث کو درایت کی محک پر کسا اور پھر ان سے مسائل استنباط کیے۔ اگر وہ محدث (ماہر فن حدیث) نہ ہوتے، تو تفریعِ مسائل کا کام کس طرح کر سکتے تھے، ہر فقیہ کا محدث ہونا ضروری ہے۔ جب تک وہ فنِّ حدیث کی اصل روایت اور درایت کے مالہ وماعلیہ سے کامل وقوف نہیں رکھے گا وہ تفریعِ مسائل پر کب قلم اٹھا سکتا ہے۔ جو فقیہ جس قدر بالغ نظر ہو گا اس کی حدیثِ مبارکہ اور فنِّ حدیث پر نظر اتنی ہی بلیغ ہو گی۔ بس کسی فقیہ کے لیے یہ کہہ دینا کہ وہ فنِّ حدیث میں قلیل البضاعت ہے ایک بالکل غلط خیال ہے۔ جس کو حقیقت سے کچھ واسطہ نہیں۔

پھر یہ کہ تدوین و تالیفِ حدیثِ مبارکہ کا مقدس اور اہم کام چوتھی صدی ہجری میں ختم ہو گیا تھا، اس کے بعد جو کچھ اس مقدس ومبارک موضوع پر کام ہوا اس کی صراحت میں صاحب "مفتاح السنتہ" کے دو اقتباسات میں گزشتہ اوراق میں پیش کر چکا ہوں۔ اس حقیقت کے بعد اس خصوص میں کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ صرف اس برصغیر پاک وہند ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیائے اسلام میں کوئی مہتم بالشان کام اس سلسلے میں انجام پزیر نہیں ہوا، بجز اس کے کہ یا تو اربعین (چہل) کی تدوین کی گئی اور ادعیۂ ماثورہ کو ہر موئف نے اپنے مخصوص انداز سے مرتب کیا اور اپنے حسبِ منشا نام سے موسوم کر دیا یا مختلف موضوعات پر منطبق ہونے والی احادیثِ کریمہ کو جمع کر دیا گیا جیسے اس صدی میں پاکستان میں "زادِ راہ" اور "راہِ عمل" نامی مجموعے تالیف ہوئے، ان کی افادیت سے انکار نہیں؛ لیکن یہاں بات ہو رہی ہے مجموعہ ہائے احادیث کی۔ یعنی چوتھی صدی ہجری کے بعد حدیثِ مبارکہ کے موضوع پر اس حیثیت سے تو کام نہیں ہوا جو تیسری صدی میں ہوا تھا، لیکن جیسا کہ آپ صاحبِ "مفتاح السنتہ" کا قول یا تبصرہ پڑھ چکے ہیں، تہذیب وتزئین، اضافہ اور ترمیم کا کام جاری وساری رہا۔

جمع بین الکتب ستّہ: چھٹی صدی ہجری میں محدث ابوالحسن زین بن معاویہ العبدری (م۵۳۵ھ) نے بخاری اور مسلم، موطا، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی احادیث کو ایک جگہ جمع کرایا اور ابواب کے لحاظ سے اس کو مرتب کیا اور ان کے کام کو خوب سراہا گیا۔ اگرچہ ان سے پہلے محدث ابوبکر احد بن محمد برقانی (م۴۲۵ھ) اور محدث ابومسعود ابراہیم بن محمد دمشقی (۴۶۱ھ) اور محدث ابوعبداللہ حمیدی (م۴۸۸ھ) نے بخاری اور مسلم کی احادیث کو جمع کیا تھا، لیکن کتبِ ستّہ کی جمع کا کام نہیں ہوا تھا۔ جمع بین الکتب ستّہ میں صرف متونِ احادیث کو یک جا کیا گیا تھا؛ شرح، تفسیر اور تعلیقات سے ان کو عاری رکھا گیا تھا۔ ان کتب میں محدث رزین کی کتاب کو زیادہ پسند کیا گیا۔ محدث رزین کی جمع بین الکتب ستّہ کے بعد علامہ محدث امام ابوالسعادت مبارک بن اثیر جزری (م ۶۰۶ھ) نے محدث رزین کی جامع اور امہات کتب حدیث کو اپنی تذہیب اور ترتیب ابواب کے ساتھ جمع کیا اور "جامع الاصول" نام رکھا، آخر میں لغاتِ غریب کی تشریح اور مشکل اعراب کو بھی بیان کر کے اس کو زیادہ دلکش اور مفید بنا دیا ہے۔

نویں صدی ہجری میں مفسر و محدث شہیر علامہ حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی نے صحاحِ ستّہ اور دس مشہور

مسانید کو جمع کیا اور ''جمع الجوامع'' سے اس مجموعے کو موسوم کیا، جو متونِ احادیث کے اعتبار سے ''جامع الاصول'' سے کہیں زیادہ ضخیم ہے؛ لیکن ناقدین اور مبصرین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اس کی ترتیب میں صحیح وسقیم کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

دسویں صدی ہجری میں اس برِّصغیر پاک وہند میں ایک مفسر ومحدث علامہ علاء الدین علی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خان جونپوری (اصل برہان پوری) المعروف بہ علی متقی نے ایک بہت ہی عظیم اور مفید کام سرانجام دیا یعنی انہوں نے علامہ سیوطی کی ''جمع الجوامع'' اور زوائد واکمال کی تمام احادیثِ کریمہ کو بہ ترتیبِ حروف تہجی جمع کیا، پھر جامع الصغیر اور زوائد کی تبویب کی۔ ''جمع الجوامع'' سے کسی قولی یا فعلی حدیث کا اس وقت تک نکالنا ممکن نہ تھا، جب تک قولی حدیث کا لفظِ آغاز یا فعلی حدیث میں راوی کا نام معلوم نہ ہو۔ محدث عظیم علی متقی نے ترتیب کر کے اس مشکل کو دور کر دیا اس مجموعہ کا نام ''نہج العمال فی سنن الاقوال'' رکھا پھر باقی احادیث کی تبویب کر کے اس کا نام ''غایۃ العمال فی سنن الاقوال'' رکھا۔ اس کے بعد فعلی احادیث کو ''جامع الاصول'' کی مانند مرتب کیا اور اس کا نام ''کنز العمال'' رکھا۔ اس طرح یہ کتاب چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور طبع ہو چکی ہے۔

جمع کتبِ حدیثِ مبارکہ کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری وساری رہا۔ چنانچہ شیخ امام حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (م ۸۰۷ھ) نے مسند امام احمد اور بزار، وموصلی وطبرانی کی تینوں معاجم (کبیر، اوسط وصغیر) سے احادیث اخذ کر کے جمع کی ہیں اور اس مجموعے کا نام ''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد'' رکھا۔ یہ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے یہ ''کنز العمال'' کی طرح مشہور ہو سکی نہ مقبول۔ اسی طرح علامہ فاسی (علامہ محمد بن محمد بن سلیمان الفاسی، م ۱۰۹۴ھ) نے اور محدث نور الدین نے ''جامع الاصول'' اور ''مجمع الزوائد'' کو ایک کتاب میں جمع کیا۔

ترغیب وترہیب کے موضوع سے متعلق احادیث ہمارے سرمایۂ احادیثِ کریمہ میں کثرت سے ہیں۔ امام حافظ زکی الدین عبدالعظیم المنذری کی اس سلسلے میں کوشش کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے ''الترغیب والترہیب'' مرتب کی اور اس میں ۲۵/ اہم موضوعات کے تحت ترغیب وترہیب پر مبنی منتشر احادیث کو جمع کیا، ''المستدرک علی الصحیحین'' بھی ایک قابلِ قدر کوشش ہے۔

صاحب مشکوٰۃ نے علامہ بغوی کی ''مصباح السنۃ'' پر ایزادات کیے اور جن امور کا اضافہ کیا ان کو صاحبِ مشکوٰۃ نے ''مشکوٰۃ المصابیح'' کے مقدمے میں بیان کر دیا ہے وہاں مطالعہ کیا جاسکتا ہے، اس برّصغیر میں محدث عبدالحق دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس ملک میں سب سے پہلے آپ نے ''مشکوٰۃ'' کی شرح فارسی (اشعۃ اللمعات) وعربی (لمعات) لکھ کر یہاں کے مسلمانوں میں حدیث کے ذوق کو ایک تازہ زندگی بخشی، اسی طرح بارھویں صدی ہجری میں برّصغیر پاک وہند کے عظیم محدث ومفسر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نور اللہ مرقدہ نے ''مؤطا'' کی شرح فارسی زبان میں بنام ''مصفی'' اور عربی زبان میں بنام ''مسویٰ'' لکھ کر ''مؤطا'' کے مطالعے کو عام کیا۔

برِّصغیر پاک وہند میں کتبِ حدیث کی ترتیب، تذہیب وتبویب کا کام حضرت علی متقی کے سوا اور کسی نے سر انجام نہیں دیا۔ البتہ اربعین یا چہل حدیث کے بہت سے مجموعے معرب ومترجم یا غیر معرب وغیر مترجم ضرور مرتب ہوئے۔ علاوہ ازیں چودھویں صدی ہجری تک صحاحِ ستہ کی شرح نگاری ہوتی رہی۔ بخاری اور مسلم کی شروح کی طرف زیادہ توجہ کی گئی۔ اس طرح برصغیر پاک وہند میں بارھویں صدی ہجری یعنی حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد اس وقت جس قدر حضرات علمِ حدیث سے شغف رکھنے والے گزرے ہیں موضوع حدیث پر تصنیف وتالیف کا سرمایہ نہ رکھنے کے باعث حکیم عبدالحی ندوی کی رائے میں قلیل البضاعت فی الحدیث ٹھہرتے ہیں۔ چنانچہ تیرھویں صدی ہجری کی ایک مشہور علمی شخصیت جس پر (بقول ندوی صاحب) ''ہندوستان میں ریاست حدیث ختم ہوتی ہے'' اس کے متعلق نزہتہ الخواطر کی یہ وضاحت غور طلب ہے جبکہ صاحبِ ترجمہ مؤلفِ ''نزہتہ الخواطر'' کے استاد بھی ہیں۔

صاحب ''نزہتہ الخواطر'' یعنی حکیم عبدالحی صاحب ندوی نے اپنے استاد گرامی جناب مولوی نذیر حسین دہلوی کے سلسلے میں لکھا ہے: ''ونفع بعلومہ خلقاً کثیراً من اھل العرب والعجم وانتھت رئاستہ الحدیث فی بلاد ھند۔''

یہ ہستی جس پر بقول حکیم عبدالحی صاحب حدیث کی ریاست ختم ہو گئی تھی، بھی تزہیب وترتیب وتدوین حدیث میں کوئی خدمت انجام نہ دے سکی خود ان کے گرامی مرتبت شاگرد عبدالحی صاحب

لکھتے ہیں:"ولم یکن للسید نذیر حسین کثرة اشتغال بتالیف، ولوا راد ذلك لکان له فی الحدیث ولا یقدر علیه غیره۔"

لیکن صد حیف کہ علم حدیث میں ان کی کوئی تالیف نہیں ہے ایک ہشت ورقی رسالہ بھی یادگار نہیں ہے، البتہ: "وله رسائل عدیدة، اشهرها معیار الحق، واقعة الفتویٰ دافعة البلویٰ وثبوت الحق الحقیق، ورسالته فی تحلی النساء بالذهب والمسائل اربعته کلها باللغته الاردویته۔"

آپ نے کمالِ علمی ملاحظہ فرمایا کہ یہ تمام رسائل اُردو زبان میں ہیں۔علاوہ ازیں فلاح الولی باتباع النبی و مجموعتہ الفتاویٰ بالفارسی، حضرت نذیر حسین دہلوی نے عربی زبان پر اپنی حذاقت اور کامل دسترس کا صرف ایک نمونہ یادگار چھوڑا ہے جو ایک ہشت ورقی رسالہ ہے جیسا کہ صاحب نزہتہ الخواطر ان کے شاگردِ گرامی تحریر فرماتے ہیں:"ورسالته فی البطال عمل المولد بالعربی واما الفتاوی المتفرقته التی شاعته فی البلاد فلا تکاد ان تحصر وظنی انها لوجمعت بلغت الی مجلدات ضخام۔"

قارئینِ کرام! ریاستِ حدیث برِّصغیر میں جس ذات پر ختم ہوگئی، تصنیف و تالیف کی دنیا میں اس کا یہ مقام تھا(کہ پوری زندگی میں صرف ایک آٹھ ورقی رسالہ عربی زبان میں لکھ پائے) پس بجائے اس کے کہ کسی دوسرے صاحبِ قلم، صاحبِ فضل وکمال کے بارے میں "قلیل البضاعت فی الحدیث" کاجملہ استعمال کیا جائے زیادہ مناسب ہے کہ قلیل البضاعت فی الحدیث ندوی صاحب اپنے استاذِ گرامی میاں نذیر حسین دہلوی کو کہیں، لیکن ان کے لیے امساک قلم فرمایااوردوسروں کے لیے جوچاہا آسانی سے کہہ دیا (فواللعجب)۔

میں نے پچھلے اوراق میں "مفتاح السنتہ" اور علامہ ابنِ خلدون کے مقدمے سے چند اقتباسات پیش کر کے یہ امر آپ کے ذہن نشیں کیاہے کہ کتبِ حدیث کی تدوین وترتیب کا تعلق صرف قرونِ سوم تک ہے۔ آپ کے سامنے میں نے تمام صحاح، مسانید، معاجم ومصنفات ان کے مؤلفین وجامعین کے اسمائے گرامی، عصرِ تدوین وتالیف کی تصریح کے ساتھ پیش کر دیے ہیں، ملاحظہ فرمایئے کہ یہ سلسلہ تیسری صدی ہجری سے کسی طرح آگے نہیں بڑھتا۔ اس کے بعد بطورِ ترتیب وتبویب واضافہ وایزاد جو کچھ کام اس سلسلے میں ہُوا اس کی بھی صراحت کر دی۔ البتہ شروح کی وضاحت سے قلم کو روکا ہے کہ اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں تھی، شرح نگاری کا یہ کام چودھویں صدی ہجری تک اس برِّصغیر میں جاری وساری رہا، تو اگر بضاعتِ حدیث کی قلت وکثرت کا یہی معیار ہے تو اس برِّصغیر اور ممالکِ اسلامیہ کے ہزاروں محدثین اس خصوص میں بے بضاعت ٹھہریں گے اور اگر حکیم عبدالحی ندوی کی اس قول سے مراد درسِ حدیثِ مبارکہ ہے، تو اس سلسلے میں بھی بہت کچھ عرض کیاجا چکا ہے۔اب صرف ایک پہلو بحث کے لیے باقی رہتا ہے کہ کیا اخذِ سند واجازت روایات کی کثرت وقلت کو اس کا معیار بنایاہے تو اس کا موجب کیاہے، اسلافِ کرام کے یہاں تو یہ معیار قائم نہیں تھا۔ جبکہ اخذِ سند کا طریقہ بہت قدیم ہے اور اس کو اس قدر عمومیت حاصل ہو گئی تھی کہ حرمین شریفین کے محدثین کرام کی خدمت میں ممالک غیر سے حاضر ہونے والے حجاج کرام ان بزرگ محدثین کی خدمت میں حاضر ہوتے، اپنا تعارف کراتے،اپنے استاذ کے تعارف کی ضرورت ہوتی، تواس سے بھی دریغ نہ کرتے اور شیخ الحدیث سے سند اجازت روایات حاصل کرلیتے، یاچند ماہ شیخ کے درس میں پابندی سے حاضر ہوتے اور شیخ سے سماعتِ حدیث کی سعادت حاصل کرتے اور وقتِ رخصت یہ سند شیخ الحدیث سے حاصل کرلیتے اور یہ حضرات بھی اس میں بخل نہ فرماتے، کبھی موقع مل جاتا تو"قرأت تلمیذ علی الشیخ" کاشرف بھی حاصل ہو جاتا اور اس طرح حضرت شیخ کو شاگرد کی استعدادِ علمی کا بھی اندازہ ہو جاتا اور پھر یہ سند دینے میں پس وپیش نہ رہتا، اس سند کے حصول کے لیے شیخ الحدیث کی خدمت میں حاضری، اس کی مدّت اور تسلسلِ حاضری ضروری عناصر نہیں تھے۔ یہی روش مدتوں سے جاری وساری تھی، چنانچہ تیرھویں صدی ہجری میں جبکہ حکیم عبدالحی ندوی مصنف "نزہتہ الخواطر" دہلی میں اپنے استاذِ گرامی محدث ومفسر علامہ سید نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اخذِ سند کا حال ان کی ہی زبانِ قلم سے سن لیجیے:"وانی قد صحبته ایاماً ببلدة دهلی واجازلی اجازة عامته تامته وکتب لی الاجازة بیده الکریمة سنته اثنتی عشرة وثلاث مائته والف۔"

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حکیم عبدالحی صاحب شہر دہلی میں صرف چند دن ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سید نذیر حسین صاحب دہلوی نے ان کو تمام کتب کا اجازت نامہ اپنے قلم سے تحریر فرماکر عنایت کر دیا۔ قارئینِ کرام! بس اسی سند یا اجازت نامے پر علمائے کرام کو قلیل البضاعت یا کثیر البضاعت کہا جاتا تھا۔ جس کے پاس جتنی زیادہ یہ سندیں یااجازت نامے ہوتے تھے اتنا ہی اس کو علم

وفضل میں قابلِ اعتماد اور صاحبِ فضل سمجھا جاتا تھا اور اگر یہ اسناد اور اجازت نامے کم ہوتے تو اس کو علم میں قلیل البضاعت سمجھا جاتا اور اگر ایسا نہیں اور راقم السطور غلطی پر ہے بلکہ بضاعت کی گراں مائیگی اور کثرت یا قلت کا حصر تصنیف و تالیف پر تھا تو اس سلسلے میں ابھی میں وضاحت سے عرض کر چکا اور یہ بتا چکا کہ برِّ صغیر پاک وہند میں حدیث شریف کے موضوع پر جو کچھ کام ہوا اس کا حصر صرف شرح نگاری پر ہے، جس کا آغاز شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور ان کے فرزندِ رشید محدث شیخ نور الحق دہلوی ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شارح ''موطا'' اور ان کے فاضل مدقق فرزند اکبر حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے کیا؛ یا پھر چودھویں صدی ہجری کے بعض علمانے برِّ صغیر پاک وہند نے اس سلسلے میں قلم اٹھایا ہے، لیکن ان کی تصانیف مدتوں تک مسوّدات کی شکل میں رہیں۔ کچھ ہندوستان میں شائع ہوئیں اور اکثر کو قیامِ پاکستان کے بعد طباعت کے مواقع میسر آئے جیسے علامہ شبیر احمد عثمانی کی ''الملہم شرح مسلم'' اب ۱۹۹۰ء میں مکتبۂ رشیدیہ، کراچی نے شائع کی یا اس سے چند سال قبل فیض الباری جلدِ اوّل کے نام سے شرحِ بخاری شائع ہوئی تھی۔

امام شاہ احمد رضا قدس سرہٗ نے حدیثِ مبارکہ کی کسی صحیح یا سند کی شرح پر قلم نہیں اٹھایا کہ صحاح اور حدیث کی مشہور کتابوں کی شرحیں ہو چکی تھیں ان شرحوں کی موجودگی میں مزید شرحوں کا انبار لگانے سے کیا حاصل، بلکہ انہوں نے حاشیہ نگاری کو اپنایا کہ حدیث کی کتابوں پر حواشی نایاب تھے۔ حواشی میں مصنف کے کلام کی تصحیح کی جاتی ہے، اس کو زلتِ قلم سے آگاہ کیا جاتا ہے اور اس کا تعاقب کیا جاتا ہے، جبکہ شرح میں یہ امور زیرِ قلم نہیں آتے، بلکہ اپنے لیے ایک اور راستہ تلاش کیا یعنی حاشیہ نگاری۔ اس برِّ صغیر پاک وہند میں ملا عبد الحکیم سیالکوٹی مرحوم کے بعد شاہ احمد رضا قدس سرہٗ حاشیہ نگاری میں منفرد مقام کے حامل ہیں، حاشیہ، تعلیق اور شرح اور ان کے دشوار گزار راستے، ان کی ابتدا عربی ادبیات و مذہبیات میں ان موضوعات پر میں نے امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری (جلدِ اوّل وجلدِ دوم شائع کردۂ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی) میں پیش کر دی ہیں اور وہاں بتایا ہے کہ حاشیہ نگاری کس قدر اہم اور مشکل کام ہے۔

موضوعِ احادیث پر تمام مشہور کتب پر امام احمد رضا کے حواشی موجود ہیں اور اکثر میری نظر سے گزرے ہیں۔ ان حواشی میں تنبیہ و تصحیح، تطفل و تعاقب تمام جہتیں موجود ہیں، اگر کتبِ احادیث پر امام احمد رضا کے یہ تمام حواشی یک جا شائع ہو جائیں تو اس کو ایک اہم اور شاندار مجموعہ اس موضوع پر کہا جا سکتا ہے۔ کتب احادیث پر حواشی کی تفصیل یہ ہے، تمام حواشی عربی زبان میں ہیں، جن سے امام احمد رضا کی عربی انشا پردازی کی قدرتِ تامّہ ظاہر ہوتی ہے اور فن سے بکمال درجہ آگہی:

(۱)حاشیہ صحیح بخاری، غیر مطبوعہ، (۲)حاشیہ صحیح مسلم، غیر مطبوعہ، (۳)حاشیہ جامع ترمذی، غیر مطبوعہ، (۴)حاشیہ سنن نسائی، غیر مطبوعہ، (۵) حاشیہ سنن ابن ماجہ، غیر مطبوعہ، (۶)حاشیہ تفسیر شرح جامع الصغیر، غیر مطبوعہ، (۷)حاشیہ مسند امام اعظم، غیر مطبوعہ، (۸)حاشیہ شرح معانی الآثار، غیر مطبوعہ، (۹)حاشیہ سنن دارمی (مسند دارمی)، غیر مطبوعہ، (۱۰) حاشیہ کنز العمال، (۱۱)حاشیہ عمدۃ القاری شرح بخاری، (۱۲) حاشیہ فتح الباری شرح بخاری، (۱۳)حاشیہ ارشاد الساری شرح بخاری، (۱۴)حاشیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، (۱۵) حاشیہ فیض القدیر شرح جامع الصغیر، (۱۶)حاشیہ موضوعات الکبیر، غیر مطبوعہ، (۱۷)حاشیہ التعقبات فی الموضوعات، غیر مطبوعہ۔

اصول حدیث میں آپ کے چند مطبوعہ رسائل یہ ہیں: مدارج طبقات الحدیث، الافادات الرضویہ۔ اصول حدیث میں اردو زبان میں یہ دو رسالے مشہور ہیں الیاد الکاف فی حکم الضعاف (اردو) اور الفضل الموهبی فی معنی اذا صح الحدیث فهو مذهبی۔ علاوہ ازیں اسماء الرجال کی تمام مشہور کتابوں مثلاً ''تقریب التہذیب''، ''تہذیب التہذیب''، ''میزان الاعتدال''، ''تذکرۃ الحفاظ الاسماء والصفات'' پر آپ کے حواشی آپ کی دقّتِ نظر اور فنِّ حدیث روایت و درایت پر آپ کے تبحر کے گواہ ہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ حواشی تو شائع نہیں ہوئے اس لیے قلیل البضاعت کہا گیا تو اس طرح تو چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں برِّ صغیر میں لکھی جانے والی بعض شروح بھی چودھویں صدی کے اواخر میں شائع ہوئی ہیں۔ صرف تذکروں تک اس کے تذکرے محدود تھے جبکہ امام احمد رضا کے رسائل موضوع حدیث پر طبع اور شائع ہو چکے تھے پھر ان کو ''قلیل البضاعت فی الحدیث'' کہنے میں کوئی باک نہیں کرتے۔ کاش حکیم عبد الحی ندوی صاحب نے اپنے اس ارشاد ''قلیل البضاعت فی الحدیث'' کی تشریح کی ہوتی اور اس کے اطلاق کی کوئی کتب متعین فرمائی ہوتیں تو اس پر قلم اٹھایا جاتا اور اسی نقطۂ نظر سے امام احمد رضا قدس سرہٗ کی بضاعتِ علمی کا جائزہ لیا جاتا۔

ع شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

خرید و فروخت میں فضولی کے تصرفات، تحقیقِ رضا کے آئینے میں

صبا نور (ایم فل، دی یونیورسٹی آف فیصل آباد، پاکستان)

Abstract: Transactions are part of social life and show strong relationships. Islam gives guidance for it and the books of Sharia shows examples of it. Built on concept introduced in last article, this article discusses the research of Imam Ahmad Raza on sale by non-owners and is helpful in knowing his contribution to Economics.

خلاصہ: لین دین کے معاملات سے متعلق شرع مطہرہ نے واضح راہ نمائی فرمائی ہے۔ انہی تعلیمات سے مدد لے کر مولانا احمد رضا نے خرید و فروخت (بیع) سے متعلق تمام احکامات کی تفصیلات بیان فرمائیں۔ خاص طور پر بیع فضولی کے بارے میں جامع اور منفرد انداز میں تحقیق پیش کی۔ بالخصوص جہیز اور نیلام جائیداد سے متعلق مسائل پر آپ کی تحقیقات خصوصیت کی حامل ہیں۔ آپ کی بیان کردہ تحقیقات سے مدد لے کر عہدِ حاضر میں اس نوعیت کے مسائل حل کیے جاسکتے ہیں۔

خرید وفروخت کے معاملات ہماری معاشرتی زندگی سے جڑے ہوتے ہیں۔ ان پر ہماری زندگی کی عمارت استوار ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لین دین کا دائرۂ کار ملکی سطح سے تجاوز کر کے بین الاقوامی سرحدوں تک جا پہنچا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر دنیا کے تمام ممالک درآمدات و برآمدات کے ذریعے ایک دوسرے کے قریب آپہنچے ہیں۔ تجارت کو معاشی ترقی کا پیش خیمہ کہا جاتا ہے اور عہد حاضر میں دنیا کے سارے ممالک ہی اپنی ضرورتوں کے پیشِ نظر دوسرے ممالک سے مختلف اقسام کی اشیا منگوا کر اپنی ضرورتیں پوری کر رہے ہیں۔ ابتدا میں یہ لین دین دو انسانوں کے مابین ہونا شروع ہوا وقتی تقاضوں کے مطابق ان میں تبدیلی رونما ہوئی۔ تجارت، خرید وفروخت اسلام سے قبل بھی معاشروں میں رائج تھی۔ قریشِ مکہ کا پیشہ تجارت ہی تھا؛ خود حضور پاک ﷺ نے بھی یہی پیشہ اختیار کیا اور اس لین دین کے معاملات کی تفصیل و تشریح خود آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی۔ قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: " وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"(سُوْرَةُ الْبَقَرَة، آیت ۲۷۵)(خداتعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا)۔ خرید وفروخت مباح عمل ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں جہاں کہیں بھی تجارت خرید و فروخت کا تذکرہ آتا ہے۔ وہاں جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسم کھانے، دھوکہ دہی سے اجتناب کرنے کا حکم ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن فُجّار (بدکار) اٹھائیں جائیں گے، مگر جو تاجر متقی ہو اور لوگوں کے ساتھ احسان کرے اور سچ بولے۔"

بیع (خرید وفروخت) جو کہ تملیک منتقلی ہے اس میں کسی چیز کو فروخت کیا جاتا ہے اور بدلے میں مطلوبہ شخص سے قیمت وصول کر لی جاتی ہے۔ خرید و فروخت کے باب میں علما و فقہا نے بہت تفصیل سے لکھا اور اس باب میں موجود تمام نکات، جزئیات کا کلی احاطہ کیا۔ کتبِ فقہ کی ہر کتاب کا آدھے سے زیادہ حصّہ خرید وفروخت کے احکام ومسائل پر مشتمل ہے۔ علما و فقہا نے وقت کے تقاضوں کے مطابق ان میں اضافہ اور نئے مسائل کا احاطہ کیا۔

خرید وفروخت سے متعلق ابتدائی اور بنیادی باتیں ہم معارفِ رضا فروری ۲۰۱۲ء میں پیش کر چکے ہیں اور اس سے متعلق ہر حصّے کی تفصیل قارئین آنے والے شماروں میں ملاحظہ کرتے رہیں گے۔

خرید وفروخت کے باب میں ایک باب "فضولی کے تصرفات" کا ہے۔ اس کا مطلب ہے "کسی دوسرے کی ملکیت میں بغیر اجازت کے تصرف کرنا، مثال کے طور پر کسی شخص کی مملوکہ زمین یا اراضی، یا مکانات اور مال کو مالک کی اجازت کے بغیر فروخت کرنا یا کسی کی طرف سے کوئی شے خرید کر اسے گفٹ کے طور پر دے دینا، وغیرہ وغیرہ۔ مثال کے طور پر ایک جائیدادِ مشترکہ جس کے ایک سے زیادہ وارث ہوں وہ اراضی یا جائیداد سب ورثا کی مشترکہ ملکیت ہو تو کسی ایک وارث کو اس پوری جائیداد کے بارے میں فیصلہ کرنے یا

فروخت کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ ایک شریک دوسرے شریک کے حصّے میں فضولی کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ دوسرے ورثا کی ملکیتوں کا مالک نہیں۔ وہ صرف اپنے حصّے کو فروخت کرنے کا حق رکھتا ہے، وہ اس شے کا مالک ہے۔ اس کو اختیار ہے کہ اپنے حصّے کی جائیداد کے بارے میں جو مرضی فیصلہ کرلے؛ دوسروں کے حق میں تصرف کرنے کا حق ورثا کی اجازت پر منحصر ہو گا۔ وہ اپنے حصص کو فروخت کرنے یا اس کے بارے میں فیصلے کا کلّی اختیار دیں تو یہ انہی کی اجازت پر موقوف ہو گا۔ مولانا احمد رضا نے اجازت اور فضولی کے تصرفات کے بارے میں مختلف انداز سے بحث کی ہے کہ کن کن صورتوں میں فضولی فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے اور کیا اختیارات اس کو حاصل نہیں ہوئے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں:

کسی دوسرے شخص کے مال یا جائیداد میں فروخت کرنے کا حق اس وقت حاصل ہوتا ہے جو شے کا اصلاً مالک ہے اس کی اجازت حاصل ہو اور مالک نے اس شخص کو اپنی جائیداد کو فروخت کرنے یا کسی قسم کا تصرف کرنے کا اختیار دیا ہو۔ مالک کی اجازت کے بغیر فضولی کوئی عقد خود سے طے نہیں کرسکتا؛ سودا طے ہو جانے پر بھی مالک کی اجازت ضروری ہے، ورنہ سودا منسوخ ہو جاتا ہے۔

فضولی جو کسی دوسرے کی ملکیت کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے وہ یہ فروخت کرکے اپنی ذات کے لیے نفع کمانا چاہے یا کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہے۔ تو اس کا یہ سودا ناجائز ہو گا۔ بلکہ جو شخص اصلاً شے کا مالک ہے اس کے فائدے کے لیے یا اسے مالی نفع پہنچانے کی غرض سے فروخت کرے تو اس کا ایسا کرنا صحیح و درست ہو گا، لیکن فضولی میں بھی مقصد کے لیے شے کو فروخت کرے۔ وہ شے کے مالک کی اجازت کے بغیر اس کی ملکیت میں تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کا یہ سودا مالک کی اجازت کے ساتھ مشروط ہے۔

مالک کا فضولی کو اجازت دینا کبھی تو صراحتاً ہوتا ہے کہ وہ صاف صاف الفاظ میں اجازت دے تو کبھی اس کے فعل سے اجازت دینا ثابت ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فضولی شے کو فروخت کردے اور مالک اس سے فروخت شدہ جائیداد کی قیمت کا مطالبہ کرے یا بیچنے والا فضولی کے اس عمل پر خوش ہو تو یہ سب اشارے یا مالک کا طرزِ عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ مالک اس سودے پر راضی ہے۔

جائیداد فروخت ہونے کے بعد مالک کو خبر ہوئی اور مالک نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار نہیں کیا بلکہ جائیداد کے فروخت ہونے تک اس کو خبر نہیں ہوئی تو ان صورتوں میں مالک کو دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ بیع کی خبر سن کر مالک کا خاموش رہنا اِجازت نہیں سمجھا جائے گا۔ امام احمد رضا اس بات کی تائید میں فتاویٰ ہندیہ کی عبارت نقل کرتے ہیں: "مالک کو اپنی جائیداد کے فروخت ہونے کا علم ہوا کہ فضولی نے تیری مملوک شے فروخت کردی اور وہ خاموش رہا تو یہ اجازت نہیں ہو گی۔"

امام احمد رضا فرماتے ہیں: ایسی جائیداد جو مشترکہ ملکیت ہو یا ایسی جائیداد جس کے ورثا نابالغ ہوں اور نابالغ تو عقد قائم کرنے کی سمجھ بوجھ سے واقف ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے نفع نقصان کا ذمّے دار ہوتا ہے۔ کوئی شخص جو ان کا عزیز ہو یا رشتے دار نابالغان کی طرف سے ان کی جائیداد میں تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا، فروخت کرنے کی صورت میں یہ بیع باطل و ناجائز ہو گی۔ نابالغان سن بلوغ کی حد کو پہنچ کر بھی اس سودے کو قائم رکھنے کی اجازت دیں اس صورت میں بھی یہ سودا باطل ہو گا۔ کیونکہ یہ سودا سرے سے ہی قائم نہیں ہوا اور جو قائم نہ ہو باطل و ناجائز ہو وہ سودا اجازت پر موقوف نہیں رہتا۔ امام احمد رضا اپنی اس بات کی تائید میں درِ مختار کی عبارتوں کا حوالہ دیتے ہیں کہ جو تصرف فضولی کی طرف سے ہو اس سودے کے قائم ہوتے وقت کوئی ایسا شخص جو اس کی اجازت دے موجود نہ ہو تو صرف فضولی کا کیا ہوا عقد باطل ہو گا۔ (دیکھیے فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۹، ص ۱۹۲)

البتہ نابالغان کی ملکیت میں تصرف کا حق اس کے بڑے بھائی (جو والد کی وفات کے بعد سربراہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنے بہن بھائیوں کی کفالت کا بار اٹھاتا ہے۔) کا معاملہ الگ ہے۔ کفالت سے

متعلق تحقیقات ہم اپنے مقالہ ماہنامہ معارف رضا اکتوبر ۲۰۱۱ء میں تفصیلاً پیش کر چکے ہیں۔ فضولی جب کوئی سودا طے کرے، اس وقت ایسے شخص کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے جو فضولی کو ایسا کرنے کی اجازت دے عقد کا قائم ہونا مالک کی اجازت پر منحصر ہے۔ فضولی مالک کی اجازت کے بعد جائیداد یا مال فروخت کرنے کے بعد جو روپیہ پیسہ مشتری (خریدنے والے) سے وصول کرے۔ وہ رقم فضولی کے پاس مالک کی امانت ہے اور فضولی اس بات کا پابند ہے کہ وہ مالک کی اس امانت کی حفاظت کرے فروخت شدہ جائیداد سے حاصل ہونے والی رقم اس کی اپنی کوتاہی یا بے اعتدالی سے ضائع ہو جائے تو مالک اس سے نقصان پورا کرنے کا حقدار ہے ضائع ہونے کی صورت میں ضمان یا تاوان کی قید نہیں لگائی جا سکتی۔ (دیکھیے فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۹، ص ۱۰۲)

مولانا احمد رضا نے اس بات کی وضاحت کی کہ والدین کی طرف سے جو جہیز کا تحفہ بیٹی کو ملتا ہے وہ اشیاء خالصتاً بیٹی کی ملکیت ہوتی ہیں؛ شوہر اور اس کے گھر والوں کو اس اشیا میں تصرف کا حق نہیں یہ سب فضولی کے درجے میں ہیں۔ بیوی کی اجازت کے بغیر شوہر ان اشیاءِ زیور، ظروف وغیرہ اور دیگر اسباب کو فروخت کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ بِلا اجازت یہ بیع جائز نہیں ہو سکتی۔ (دیکھیے فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۹، ص ۱۹۳)

بیع فضولی میں اس نکتے کی وضاحت میں آپ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کی اجازت کے بغیر اس کے لیے کچھ خریدے مکان وغیرہ، اس کا Agreement بھی اسی شخص کے نام لکھوا دے قیمت بھی اپنے پاس سے ادا کر دے؛ جس شخص کے لیے خریدا ہے اُس کی اجازت دینے سے قبل ہی وہ وفات پا جائے، بعد میں اس کے وُرثا اس مکان کی ملکیت کے اس وقت حق دار ہوں گے جب وہ قیمت ادا کریں گے؛ بصورت دیگر ان ورثا کا کوئی حق اس مکان میں ثابت نہیں ہو گا۔ اس مسئلے میں دو امر کی وضاحت بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ اُس شخص نے مکان کی خریداری کی اور قیمت ادا کرنے کا وہ حق دار نہیں وہ اس وقت قیمت ادا کریں، اس کو تبرع واحسان قرار نہیں دیا جا سکے گا۔ دوسرا امر اس مسئلے میں یہ ہے کہ جب مکان ورثا کے حوالے کر دیا تو یہ شے سرے سے بیع منعقد ہوئی تو اب ثمن ادا کر کے اس کو لینا عمرو کے ورثا کی ذِمے داری ہے۔ زید نے یہ مکان یا جائیداد جب عمرو کے لیے خریدی تو یہ فضولی تھا، جس کے لیے خریدا اس کی اجازت ضروری تھی۔ اجازت دینے سے قبل ہی عمرو فوت ہو گیا تو یہ بیع (سودا) باطل ہو گئی۔ اگر بطورِ گفٹ کیا تھا تو بھی اُس شخص کے قبول و تسلیم سے قبل ہی اس کی موت ہو گئی اور ہبہ میں عاقدین میں سے ایک کی موت ہو جائے تو یہ ہبہ باطل ہو گیا، الغرض ورثا مکان کی قیمت ادا کر کے مکان پر قبضہ کرنے کے حق دار ہوں گے۔ بغیر قیمت ان کا اس میں کوئی حصّہ نہیں۔ (دیکھیے فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۹، ۱۹۵)

اِسی طرح ایک اور مسئلے کی وضاحت میں آپ فرماتے ہیں کہ زید نے دو مکان اپنے بھائی کے لیے خریدے اور بیع نامے بھی اپنے بھائی خالد کے نام لکھوا دیے اپنے تمام عزیزوں، بھائیوں، رشتہ داروں کے علم میں بھی زید نے یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی کہ میں نے یہ مکان صرف اپنے بھائی خالد کے لیے خریدے ہیں؛ اس کے سوا ان کا کوئی مالک نہیں؛ ایک عرصے تک کرائے نامے بھی خالد کے نام سے ہوتے رہے۔ زید کی وفات کے بعد اس کا تیسرا بھائی عمرو مدعی ہے وہ یہ عذر پیش کرتا ہے کہ ان مکانات کی قیمت میں نے بھی ادا کی تھی، زید کا سارا روپیہ نہ تھا تو کیا اس کا یہ دعویٰ قبول کیا جائے گا؟

امام احمد رضا اس مسئلے کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مکانات خالصتاً زید کی ملکیت میں ہیں اس پر وارثان زید، عمرو کسی کا کوئی حق نہیں عمرو نے مکانات کی خریداری کے وقت کچھ روپیہ ادا بھی کیا تھا تو اس کا یہ احسان کرنا زید پر ہے۔ زید نے مانگ کر عمرو سے اس مکانات کی قیمت ادا کی ہے تو یہ عمرو کا قرض زید پر ہو گا اور اس پر لازم ہے کہ وہ زید کے ترکہ سے وصول کرے نہ کہ خالد سے، خالد ہی ان مکانات کا مالک ہو گا۔ کسی دوسرے کا ان میں کوئی حق نہیں۔ (دیکھیے فتاویٰ رضویہ (مع تخریج و ترجمہ عربی

عبارات، جلد ۱۹، ص ۲۰۷) کیونکہ جب کوئی شے کسی کے لیے خریدی جائے، اُسے گفٹ کردے جائے یا اُس شے کا مالک کلی طور پر اُسے ٹھہرادیا جائے۔ تو وہی اُس شے کا مالک ہے؛ کسی دوسرے کا دعویٰ قابلِ قبول نہیں سمجھا جائے گا۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ مرض الموت میں کی جانے والی بیع درست نہیں ہوتی۔ مرنے والا شخص یہ بیع اپنے ورثا کے ہاتھ دیگر وارثان کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتا۔ (دیکھے فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۹، ص ۲۰۹)

آپ کی خاص تحقیق جو کہ اس مسئلے میں ہے کہ بولی لگاکر نیلامی کرنا سراسر ناجائز وباطل ہے اس صورت میں یہ نیلامی شے کے مالک کی اجازت کے بغیر کرتے ہیں بلکہ اپنی مرضی سے اس کی رضا جانے بغیر ہی زیادہ مالیت کی شے کم مالیت میں اونے پونے بیچ دیتے ہیں۔ یہ بیع شرع مطہرہ کی رو سے ناجائز وباطل ہے؛ بلکہ نیلامی جبراً کی جاتی ہے مالک کی طرف سے ایجاب ہی نہیں ہوتا، جو شرع مطہرہ کی رو سے خرید وفروخت کی لازمی شرط ہے، بلکہ بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ بولی کے وقت مالک حاضر ہی نہیں ہوتا۔ حکام از خود بیع کرتے ہیں جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں یہ تحقیق بیان کرچکے ہیں کہ فضولی کی بیع مالک کی اجازت کے بغیر قائم نہیں ہوتی اس بیع کا نافذ ہونا مالک کی اجازت پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر اجازت دے تو یہ بیع قائم ورنہ منسوخ ہوجائے گی۔ امام احمد رضا اس مسئلے میں در مختار کی عبارت پیش کرتے ہیں کہ اگر غاصب سے خریدنے والے نے کسی کے ہاتھ فروخت کیا حتیٰ کہ وہ کئی جگہ فروخت ہوا۔ اب شے کے مالک نے اِن تمام عقود میں سے کسی ایک کی اجازت بھی دی تو یہ بیع نافذ ہوجائے گی۔

آپ فرماتے ہیں جو نیلامی شے کے مالک کی اجازت سے ہو وہ جائز ہے۔ یا بیع کے بعد مالک اجازت دے مثال کے طور پر سو روپے قرض تھے، ایک سو دس روپے میں نیلام ہوا۔ دس زائد تھے بعد میں مالک نے قبول کرلیے تو اب یہ جائز ہوگئی۔ ابتداء میں یہ عمل ناجائز تھا، لیکن بعد میں اُس کی اجازت سے جائز ہوگیا۔ لیکن جہاں یہ دونوں صورتیں ہی نہ ہوں وہ عقد فضولی ہی ہوگا اور مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر جائز کردے گا تو جائز ہوجائے گا؛ رد کردے گا، تو باطل ہوگا۔ یا اس عقد کے وقت کوئی ایسا شخص قائم ہو جسے شرعاً اس کی اجازت کا اختیار ہوتا ہے۔ مثلاً نابالغ کا مال نصف نصف قیمت پر نیلام کیا گیا اور اس فضولی کو دنیا میں کوئی اجازت دینے والا موجود نہیں تو یہ عقد موقوف نہیں رہے گا باطل و مردود ہوگا۔ (دیکھیے فتاویٰ رضویہ، جلد ۳، ۱۰۹ تا ۱۱۰)

عہدِ حاضر میں بینکنگ سسٹم کے ذریعے لوگوں کی اکثریت قرضے وصول کرتی ہے جس کے عوض لوگ گارنٹی کے طور پر اپنی کوئی مالی شے جائیداد وغیرہ گروی رکھوا دیتے ہیں اور معیّنہ مدت تک کے لیے قرض حاصل کرلیتے ہیں۔ مدت گزر جانے کے بعد بینکوں کو اپنے قرضے واپس نہیں ملتے۔ اس صورت میں وہ مالی شے یا گروی رکھی ہوئی شے کی نیلامی کردیتے ہیں اور قیمت اپنے قرضے کے عوض وصول کرلیتے ہیں۔ بینک فضولی ہوگیا تو کیا یہ شے کے مالک کی اجازت سے ان کی جائیداد وغیرہ کی نیلامی کرسکتا ہے؟ حالانکہ کسی غیر کی ملکیت کو اس کی اجازت سے فروخت کرنے کا حق شرع مطہرہ نے نہیں دیا جب تک مالک اس فروخت پر راضی نہ ہوجائے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ لین دین خرید وفروخت کے معاملات کو شرع مطہرہ کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں طے کیا جائے۔ ان تمام عقود کے بارے میں امام احمد رضا کی پیش کردہ تحقیقات سے مدد لے کر عہدِ حاضر کے ان مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔

بندہ قادر کا بھی قادر بھی ہے عبدالقادر
سرِّ باطن بھی ہے ظاہر بھی ہے عبدالقادر
رشکِ بلبل ہے رضؔا لالہ صَد داغ بھی ہے
آپ کا واصِف وذاکر بھی ہے عبد القادر
(حدائقِ بخشش)

از افادات: **امام احمد رضا محدث بریلوی** ترتیب: **فرحان احمد قادری** (مصطفوی شریعہ کالج، کراچی)

Abstract: Imam Ahmad Raza was a popular religious figure among the public and ulema. Ulema, Sufi masters and judges consulted him for rulings. Likewise masses approached him for solutions to daily-life affairs. This article presents a collection of Raza's rulings on those common questions from vol.24 (new edition) of *Fatawa-e Razavia*.

امام احمد رضا مرجع خواص و عوام تھے۔ آپ کے زمانے کے علماو مشائخ، والیانِ ریاست و جج صاحبان آپ کی طرف مسائل کے حل کے لیے رجوع کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ عام مسلمان بھی اپنے روز مرّہ کے معاملات میں آپ سے شرعی احکام معلوم کرتے۔ معارف رضا میں ان فتاویٰ کو "جانیے" کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس ماہ کا انتخاب فتاویٰ رضویہ کی تخریج شدہ جلد ۲۴ سے ماخوذ ہے۔ بطورِ حوالہ متعلقہ صفحہ نمبر (قوسین) میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ (عبید)

والدین کے فوت ہو جانے کے بعد اولاد پر والدین کا حق

سب سے پہلا حق بعد موت ان کے جنازے کی تجہیز، غسل و کفن و نماز و دفن ہے اور ان کاموں میں سنن و مستحبات کی رعایت جس سے ان کے لئے ہر خوبی و برکت و رحمت و وسعت کی امید ہو۔

(۱) ان کے لئے دعا و استغفار ہمیشہ کرتے رہنا اس سے غفلت نہ کرنا۔

(۲) صدقہ و خیرات و اعمال صالحہ کا ثواب انہیں پہنچاتے رہنا، حسب طاقت اس میں کمی نہ کرنا، اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے بھی نماز پڑھنا، اپنے روزوں کے ساتھ ان کے واسطے بھی روزے رکھنا بلکہ جو نیک کام کرے سب کا ثواب انہیں اور سب مسلمانوں کو بخش دینا کہ ان سب کو ثواب پہنچ جائے گا اور اس کے ثواب میں کمی نہ ہو گی بلکہ بہت ترقیاں پائے گا۔

(۳) ان پر کوئی قرض کسی کا ہو تو اس کے ادا میں حد درجہ کی جلدی و کوشش کرنا اور اپنے مال سے ان کا قرض ادا ہونے کو دونوں جہاں کی سعادت سمجھنا، آپ قدرت نہ ہو تو اور عزیزوں، قریبوں پھر باقی اہلِ خیر سے اس کی ادا میں امداد لینا۔

(۴) ان پر کوئی فرض رہ گیا تو بقدرِ قدرت اس کے ادا میں سعی بجالانا، حج نہ کیا ہو تو ان کی طرف سے حج کرنا یا حج بدل کرانا، زکوٰۃ یا عشر کا مطالبہ ان پر رہا تو اسے ادا کرنا، نماز یا روزہ باقی ہو تو اس کا کفارہ دینا وعلیٰ ہذا القیاس ہر طرح ان کی برأت ذمہ میں جدوجہد کرنا۔

(۵) انہوں نے جو وصیت جائزہ شرعیہ کی ہو حتی الامکان اس کے نفاذ میں سعی کرنا، اگرچہ شرعاً اپنے اوپر لازم نہ ہو، اگرچہ اپنے نفس پر بار ہو؛ مثلاً وہ نصف جائداد کی وصیت اپنے کسی عزیز غیر وارث یا اجنبی محض کے لئے کر گئے تو شرعاً تہائی مال سے زیادہ میں بے اجازت وارثان نافذ نہیں مگر اولاد کو مناسب ہے کہ ان کی وصیت مانیں اور ان کی خوشخبری پوری کرنے کو اپنی خواہش پر مقدم جانیں۔

(۶) ان کی قسم بعد مرگ بھی سچی ہی رکھنا مثلاً ماں باپ نے قسم کھائی تھی کہ میرا بیٹا فلاں جگہ نہ جائے گا یا فلاں سے نہ ملے گا یا فلاں کام کرے گا تو ان کے بعد یہ خیال نہ کرنا کہ اب وہ تو نہیں ان کی قسم کا خیال نہیں بلکہ اس کا ویسے ہی پابند رہنا جیسا ان کی حیات میں رہتا جب تک کوئی حرج شرعی مانع نہ ہو اور کچھ قسم ہی پر موقوف نہیں ہر طرح امور جائزہ میں بعد مرگ بھی ان کی مرضی کا پابند رہنا۔

(۸) ہر جمعہ کو ان کی زیارت قبر کے لئے جانا، وہاں یٰس شریف پڑھنا ایسی آواز سے کہ وہ سنیں اور اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچانا، راہ میں جب کبھی ان کی قبر آئے بے سلام و فاتحہ نہ گزرنا۔

(۹) ان کے رشتہ داروں کے ساتھ عمر بھر نیک سلوک کیے جانا۔

(۱۰) ان کے دوستوں سے دوستی نباہنا، ہمیشہ ان کا اعزاز و اکرام رکھنا۔

(۱۱) کبھی کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر جواب میں انہیں برا نہ کہلوانا۔

(۱۲) سب میں سخت تر و عام تر و مدام تر یہ حق ہے کہ کبھی کوئی گناہ کر کے انہیں قبر میں ایذا نہ پہنچانا، اس کے سب اعمال کی خبر ماں باپ کو پہنچتی ہے، نیکیاں دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ فرحت

سے چمکتا اور دمکتا ہے، اور گناہ دیکھتے ہیں تو رنجیدہ ہوتے ہیں اور ان کے قلب پر صدمہ ہوتا ہے، ماں باپ کا یہ حق نہیں کہ انہیں قبر میں بھی رنج پہنچائے۔

اللہ غفور رحیم عزیز کریم جل جلالہ صدقہ اپنے رؤف رحیم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم کا ہم سب مسلمانوں کو نیکیوں کی توفیق دے، گناہوں سے بچائے، ہمارے اکابر کی قبروں میں ہمیشہ نور وسرور پہنچائے کہ وہ قادر ہے اور ہم عاجز، وہ غنی ہے ہم محتاج، (صفحہ: ۳۹۱،۳۹۲)

والدین کو ستانے والے اور نافرمانی کرنے والے کا حکم

ایسا شخص افسق الفاسقین واخبث مہین و مستحق غضب شدید رب العالمین وعذاب عظیم ونار جحیم ہے۔

حدیث ۱: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں نہ بتاؤں کہ سب کبیرہ گناہوں سے سخت تر گناہ کیا ہے، کیا نہ بتادوں کہ سب کبائر سے بدتر کیا ہے، کیا نہ بتادوں کہ سب کبیروں سے شدید تر کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کی: ارشاد ہو۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا اور ماں باپ کو ستانا، (اسے امام بخاری و مسلم اور ترمذی نے ابی بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)

حدیث ۲: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: تین شخص جنت میں نہ جائیں گے: ماں باپ کو ستانے والا اور دیّوث اور مردوں کی وضع بنانے والی عورت۔ (نسائی اور بزار نے جید سندوں کے ساتھ اور حاکم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔)

حدیث ۳: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ ان کے فرض قبول کرے نہ نفل: ۱۔ماں باپ کو ایذا دینے والا اور ۲۔ صدقہ دے کر فقیر پر احسان رکھنے والا اور ۳۔ تقدیر کا جھٹلانے والا۔ (اسے عاصم نے السنۃ میں بسند حسن ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)

حدیث ۴: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ملعون ہے جو اپنے والدین کو ستائے، ملعون ہے جو اپنے والدین کو ستائے، ملعون ہے جو اپنے والدین کو ستائے۔ (اسے طبرانی اور حاکم نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)

حدیث ۵: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ کی لعنت اس پر جو اپنے ماں باپ کو گالی دے (ابن حبان نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسے روایت کیا۔)

حدیث ۶: کہ ایک جوان کو نزع کے وقت کلمہ تلقین کیا، نہ کہہ سکا، نبی ﷺ کو خبر ہوئی تشریف لے گئے، فرمایا کہہ لاالٰہ الا اللہ۔ کہا: مجھ سے نہیں کہا جاتا۔ فرمایا کیوں؟ کہا: وہ شخص اپنی ماں کو ستاتا تھا، رحمت عالم ﷺ نے اس کی ماں کو بلاکر فرمایا: یہ تیرا بیٹا ہے؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا بھلا سن تو اگر ایک عظیم الشان آگ بھڑکائی جائے اور کوئی تجھ سے کہے کہ تو اس کی شفاعت کرے جب تو ہم اسے چھوڑتے ہیں ورنہ جلادیں گے، کیا اس وقت تو اس کی شفاعت کرے گی۔ عرض کی: یارسول اللہ! جب تو شفاعت کروں گی، فرمایا: تو اللہ کو اور مجھے گواہ کرلے کہ تو اس سے راضی ہوگئی۔ اس نے عرض کی: الٰہی! میں تجھے اور تیرے رسول کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوئی، اب سیّد عالم ﷺ نے جوان سے فرمایا: اے لڑکے! کہہ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ، ورسولہ۔ جوان نے کلمہ پڑھا اور انتقال کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شکر اس خدا کا جس نے میرے وسیلے سے اس کو دوزخ سے بچالیا۔ (اسے طبرانی نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)

حدیث ۷: عوّام بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ کہ اجلہ ائمہ تبع تابعین سے ہیں ۱۴۸ھ میں انتقال کیا، فرماتے ہیں میں ایک محلے میں گیا اس کے کنارے پر قبرستان تھا عصر کے وقت ایک قبر شق ہوئی اور اس میں سے ایک آدمی نکلا جس کا سر گدھے اور باقی بدن انسان کا، اس نے تین آوازیں گدھے کی طرح کیں پھر قبر بند ہوگئی، ایک بڑھیا بیٹھی کات رہی تھی ایک عورت نے مجھ سے کہا ان بڑی بی کو دیکھتے ہو؟ میں نے کہا: اس کا کیا معاملہ ہے؟ کہا: یہ قبر والے کی ماں ہے وہ شراب پیتا تھا جب شام کو آتا ماں نصیحت کرتی کہ اے بیٹے! خدا سے ڈر کب تک اس ناپاک کو پیئے گا؟ یہ جواب دیتا کہ تو تو گدھے کی طرح چلاتی ہے، یہ شخص عصر کے بعد مرا جب سے ہر روز بعد عصر اس کی قبر شق ہوتی ہے اور یوں تین آوازیں گدھے کی کرکے پھر بند ہوجاتی ہے (شرح الصدور بحوالہ اصبہانی فی الترغیب، باب عذاب القبر)

ایسے اشد فاسق فاجر سے شرعاً بغض رکھنے کا حکم ہے اور جس بات میں اس کا اعزاز واکرام نکلے بے ضرورت و مجبوری ناجائز و ممنوع ہے۔ تبیین الحقائق و مراقی الفلاح و فتح المعین و حاشیہ در مختار للعلامۃ الطحطاوی وغیرھا میں ہے: شرعی طور پر فاسق کی توہین واجب ہے۔ اس کی دعوت کرنا کرانا اس کے یہاں دعوت کھانا کچھ نہ چاہیے۔ سنن ابی داؤد و جامع ترمذی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں : جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑے ان کے علما نے منع کیا وہ باز نہ آئے۔ یہ علما ان کے پاس ان کے جلسوں میں بیٹھے ان کے ساتھ کھانا کھایا، پانی پیا تو اللہ تعالیٰ نے ان مجرموں کے دلوں کا اثر ان پاس بیٹھنے والوں پر بھی ڈالا کہ سب ایک سے ہوگئے پھر ان سب پر داؤد و عیسیٰ بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے لعنت فرمائی؛ یہ بدلہ تھا ان کے گناہوں اور حد سے بڑھنے کا۔(صفحہ:۴۰۲تا۴۰۶)

شاگردوں پر استاد کے حقوق کا بیان

عالمگیری میں نیز امام حافظ الدین کردری سے ہے :یعنی فرمایا امام زندویستی نے کہ عالم کا حق جاہل اور استاد کا حق شاگرد پر یکساں ہے اور وہ یہ کہ اس سے پہلے بات نہ کرے اور اس کے بیٹھنے کی جگہ اس کی غیبت (عدم موجودگی) میں بھی نہ بیٹھے اور چلنے میں اس سے آگے نہ بڑھے۔اسی میں غرائب سے ہے: آدمی کو چاہیے کہ اپنے استاذ کے حقوق و آداب کا لحاظ رکھے، اپنے مال میں کسی چیز سے اس کے ساتھ بخل نہ کرے یعنی جو کچھ اسے درکار ہو بخوشی خاطر حاضر کرے اور اس کے قبول کرلینے میں اس کا احسان اور اپنی سعادت جانے، اسی میں تاتارخانیہ سے ہے :یعنی استاد کے حق کو اپنے ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے حق سے مقدم رکھے اور جس نے اسے اچھا علم سکھایا اگرچہ ایک ہی حرف پڑھایا ہو اس کے لئے تواضع کرے اور لائق نہیں کہ کسی وقت اس کی مدد سے باز رہے، اپنے استاد پر کسی کو ترجیح نہ دے، اگر ایسا کرے گا تو اس نے اسلام کی رسیوں سے ایک رسّی کھول دی، استاذ کی تعظیم یہ ہے کہ وہ اندر ہو اور یہ حاضر ہو تو اس کے دروازہ پر ہاتھ نہ مارے بلکہ اس کے باہر آنے کا انتظار کرے اھ مختصراً۔(فتاوی عالمگیری)

قال اللہ تعالیٰ: ان الذین ینادونك من وراء الحجرات اکثرھم لایعقلون ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم واللہ غفور رحیم۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا (بیشک اے حبیب! جو لوگ حجروں سے باہر کھڑے ہوکر تمہیں بلاتے ہیں ان میں سے اکثر بیوقوف ہیں وہ صبر کرتے حتی کہ تم خود بخود باہر آجاتے تو ان کے لئے بہتر تھا اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔(القرآن الکریم)

عالم دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً اور استاد علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، ہاں اگر کسی خلاف شرع بات کا حکم دے ہرگز نہ کرے۔ لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں ہے۔(مسند احمد بن حنبل)

مگر اس نہ ماننے پر بھی گستاخی و بے ادبی سے پیش نہ آئے فان المنکر لایزال بمنکر (کیونکہ ناپسندیدہ چیز ناپسند عمل سے زائل نہیں ہوتی۔) نافرمانی احکام کا جواب اسی تقریر سے واضح ہوگیا اس کا وہ حکم کہ خلاف شرع ہو مستثنیٰ کیا جائے گا بکمال عاجزی و زاری معذرت کرے اور بچے اور اگر اس کا حکم مباحات میں ہے تو حتی الوسع اس کی بجاآوری میں اپنی سعادت جانے اور نافرمانی کا حکم معلوم ہوچکا، اس نے اسلام کی گرہوں سے ایک گرہ کھول دی۔ علما فرماتے ہیں جس سے اس کے استاد کو کسی طرح کی ایذا پہنچے وہ علم کی برکت سے محروم رہے گا اور اگر اس کے احکام واجبات شرعیہ ہیں جب تو ظاہر ہے کہ ان کا لزوم اور زیادہ ہوگیا ان میں اس کی نافرمانی صریح راہ جہنم ہے۔(صفحہ:۴۱۲تا۴۱۴)

حقہ اور پان کھانے اور سر پر پان کھلوانے کا حکم

پان بلاشبہہ جائز ہے اور زمانہ حضرت شیخ العالم فریدالدین گنج شکر وحضرت سلطان المشائخ نظام الملۃ الدین علیہما الرضوان سے مسلمانوں میں بلانکیر رائج ہے، حقہ کا دم لگانا جس طرح جہّال وقت افطار کرتے ہیں جس سے حواس صحیح نہیں رہتے حرام ہے اور کثیف اور بدبو رکھا جائے تو مکروہ تنزیہی، جیسے کچا لہسن اور پیاز، ورنہ مباح خالص ہے۔

سر پر پان کھلوانا بھی جائز ہے جبکہ پیشانی کے بال باقی رکھے جائیں، ہندیہ میں ہے: کوئی حرج نہیں کہ مرد اپنے سر کی چوٹی (سنٹر) مونڈ ڈالے۔(ص:۵۵۳)

امام احمد رضا اور ان کے معاصرینِ سندھ

الطاف مجاہد (ڈسٹرکٹ نیوز ایڈیٹر، روزنامہ نوائے وقت، کراچی)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے نابغہ، آنے والا ہر دن ان کی عظمت کے پرت کھول رہا ہے۔ پہلے صرف اپنے تسلیم کرتے تھے؛ اب غیر بھی ماننے لگے ہیں کہ وہ اپنی ذات میں مجموعۂ صفات تھے۔ ان کے سیاسی نظریات اور مذہبی عقائد کے مخالف آج تقلید کرنے لگے ہیں؛ تو یہ تسلیم کرلینا چاہیے کہ مولانا امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت، عظمت اور بصیرت میں کوئی کلام نہیں۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کی فقہی خدمات، سیاسی افکار اور اپنے عہد پر اثرات میرا موضوع نہیں کہ ان پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور تحریکِ خلافت یا ترکِ موالات اور ہندو دوستی پر اس عہد کے سیاست کاروں نے جو موقف اختیار کیا پھر اس پر وہ بعد میں خود بھی نادم نظر آئے۔ میری یہ تحریر تو اعلیٰ حضرت کے سندھی معاصرین پر ہے جو میڈیا کی عدم موجودگی، ذرائعِ ابلاغ کی کمی اور ہر مشقت وصعوبت آزما ذرائعِ سفر اور ناکافی رابطوں کے باوجود دورِ جدّوجہدِ آزادی میں اس فکر پر کاربند رہے جو امام احمد رضا کی تھی۔

سینکڑوں قومیں وجود میں آئیں
دہر میں خشک وتر کے رشتے سے
ہم نے بنیاد دوستی رکھی۔۔۔۔!
یادِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے سے

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ربط خاص ہی تھا جو مشوری، بھرچونڈی، مجددی مشائخ اور کراچی کے درس خاندان کو اس رشتے سے جوڑ گیا جو قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں گھروں سے نکلے تھے۔ بریلی سے بھرچونڈی تک ایک نظریۂ زندگی اور فلسفۂ سیاست کو اپنانے والے صحیح العقیدہ مسلمانوں نے نہ صرف برطانوی سامراج کو للکارا، بلکہ ان کی ذریت سے بھی مفاہمت نہ کی اور تحریکِ ترکِ موالات کے ایام میں ہندو مسلم اتحاد کی لہر چلی تو مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مقابل بند باندھا، شدت سے مزاحمت کی۔ آپ کا موقف تھا کہ گاندھی نے کھل کر کہا ہے: ”مسلمان اگر قربانیِ گاؤ نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے چھڑا دیں گے“ ایسی صورت میں جب مشرکین آمادۂ جنگ ہوں اور ان کی حکمتِ عملی نفسیاتی جنگ کے تین اصولوں پر ایستادہ ہو:

(۱) اوّل دشمن کی موت تاکہ ٹنٹا ہی ختم ہوجائے
(۲) ایسا نہ ہو تو جلاوطن یا وطن بدری تاکہ جان چھوٹے
(۳) آخر یہ کہ وہ اس درجہ کمزور ہو کہ عاجزی پر مجبور ہوجائے

ہجرت، ترکِ موالات اور ترکِ معاملات کے نتیجے میں مسلمانوں کو کمزور ہی ہونا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے موقف کو انگریز دوستی کہا گیا تو آپ نے السواد اعظم مراد آباد کے شمارہ جمادی الاوّل ۱۳۳۹ھ بمطابق ۱۹۲۰ء میں علی الاعلان فرمایا: ”اس کا جواب میرے پاس اس سے بہتر کیا ہے کہ: لعنت اللہ علی الکذبین جس نے ایسا کیا ہو اس پر قیامت تک اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے نیک بندوں کی لعنت ہو۔“

جو سیاسی عقیدہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تھا وہی سندھ میں ان کے ہم سلسلہ معاصرین کا تھا۔ آپ کی سیاست اور مذہبی عقائد میں تضادات نہیں تھے؛ جسے حق جانا برملا اس کا اظہار کیا اور آنے والے وقت نے اس موقف کو درست بھی ثابت کیا۔ جب اعلیٰ حضرت بریلی میں بیٹھ کر ہندوؤں اور انگریزوں کو دشمنِ اسلام ومسلمان بتا رہے تھے اور جمعیت علمائے ہند گاندھی اور اس کی ذریت سے دوستی کا دم بھر رہی تھی، سندھ کے مسلمانوں نے بمبئی سے علیحدگی کی تحریک شروع کی۔ یاد رہے کہ ۱۸۳۹ء سے قبل سندھ تالپوروں کے زیرِ نگیں ریاست تھا۔ سیٹھ ناؤں مل ہوت چند کی اعانت اور غداری سے انگریزوں نے ۱۸۳۹ء میں کراچی اور ۱۸۴۳ء میں حیدر آباد پر قبضہ کرکے کچھ عرصہ سندھ کو اپنے تسلط میں رکھ کر صوبۂ بمبئی سے منسلک کردیا۔ اب سندھ کمشنری تھا اور ایک انگریز کمشنر اس کا نظام چلاتا۔

سندھ کے معاملات بمبئ سے ڈیل ہوتے تھے۔ بمبئ سے سندھ کی علیحد گی کی تحریک کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ سندھ کی ہندو اقلیت آہستہ آہستہ حاوی ہوتی جارہی تھی؛ اس تحریک کی ہندوؤں نے کھل کر مخالفت کی اس میں ان کا مفاد تھا کہ بمبئ کی ہندو اکثریت سے مل کر وہ صوبے زراعت، صنعت، تجارت اور دیگر وسائل پر غالب ہورہے تھے؛ اس تحریک نے سندھ کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو الگ الگ کردیا۔ یہی تحریک درحقیقت قیامِ پاکستان میں سندھ کے مسلمانوں کی شمولیت کا بڑا سبب بھی بنی۔ کراچی کے مفتی عبدالکریم درس (۱۸۶۰ھ ۔ ۱۹۲۶ء)، شاہ علم الدین قادری، حاجی منشی بشیر القریشی قادری، پیر عبدالرحمن بھرچونڈی، پیر غلام مجدد سرہندی، کوئٹہ کے مولانا عبدالکریم، پیر عبداللہ جان سرہندی سائیں داد، ضلع ٹنڈو محمد خان، خواجہ محمد حسن جان سرہندی سمیت موجودہ سندھ کے سینکڑوں نہیں ہزاروں علما، فقہا، سیاسی کارکنان وہ ہیں جو نام ونمود سے دور رہ کر پاکستان کے قیام کی تحریک کا حصّہ بنے یا برطانوی سامراج اور ہندو غلبے کو للکارا اور یہ امام احمد رضا کی فکر وفلسفے کے مبلغ تھے جو آگے چل کر مسلم لیگ کے مددگار بنے اور قیامِ پاکستان کے حصول میں سرگرم عمل رہے۔

ڈاکٹر محمد لائق زرداری نے ''سندھ کی سیاسی جدوجہد (۱۸۴۳ء، ۱۹۳۶ء)''۔ میں تحریر کیا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے ۱۶ برس قبل ہی انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کیا تھا، لیکن جیسے ہی میرٹھ و ہندوستان کے دیگر مقامات پر رونما بغاوت کی خبریں سندھ پہنچیں یہاں بھی فوج میں بغاوت کے جذبات بھڑک اٹھے۔ ۱۳ ستمبر ۱۸۵۷ء کی شب میگ گریگر (انگریز فوجی افسر) کو تصدیق شدہ خبر ملی ۲۱ ویں رجمنٹ رات ۲ (دو) بجے بغاوت کرنے والی ہے اور وہ ۱۶ ویں ارجنٹ سے بھی رابطے میں ہیں۔ اس نے کراچی چھاؤنی کے بریگیڈیئر کرنل لوتھ سے مل کر رجمنٹ کو نہتا کر کے ۲۵ جوانوں کو حراست میں لے لیا۔ کورٹ مارشل کے بعد ۳ باغیوں کو توپوں کے منہ پر کھڑا کرکے عوام کے سامنے اڑادیا گیا، جبکہ ۷ کو پھانسی ہوئی اور کچھ کو کالے پانی بھیجا گیا۔ ایسی ہی بغاوت حیدرآباد کی ۱۳ نمبر پلٹن اور سکھر، جیکب آباد اور شکارپور میں بھی ہوئی غرضیکہ سندھ کے لوگوں نے بھی پہلی جنگِ آزادی میں جب انہیں ٹیپو سلطان، سراج الدولہ جیسے سرفروشوں کی قیادت میسّر نہ تھی اپنا کردار ادا کیا۔ سندھ کے صوفیانہ سماج میں جہاں درگاہوں، خانقاہوں اور گدی نشینوں کے گہرے اثرات ہیں اور اس دور میں بھی میران باگارہ، مخدومین کھوڑا، سرہندی، بھرچونڈی مشائخ برطانوی تسلط کے خلاف تھے اور ان کے ماننے والے زندگی کے جن شعبوں سے وابستہ تھے وہاں ان عقائد کی ترویج وتشہیر کررہے تھے۔ یہ گدی نشیں اور صوفی بزرگ جن عقائد پر کاربند تھے وہ صدیوں سے مسلمانانِ اہلِ سنّت کا ورثہ ہیں اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا نا صرف تحفظ کیا بلکہ مخالفین کے اعتراضات کو رفع کیا۔ سرزمینِ سندھ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا ۱۹۰۵ء میں کراچی قیام بھی رہا؛ جب وہ دوسری بار ادائیگیِ شرف حج کے بعد یہاں پہنچے۔ کراچی کی نامور دینی وعلمی شخصیت مولانا عبدالکریم درس ان کے میزبان تھے۔ اس سے قبل بھی سندھ کے علما ومشائخ اور فقیہہ دینی امور میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے رہنمائی لیتے تھے۔ فتاویٰ رضویہ میں سندھ کے علما وعوام کے استفسارات اس کی دلیل ہیں۔ پروفیسر سیّد عارف کے تحقیقی مقالے ''مولانا احمد رضا خاں اور سرزمین سندھ'' میں مذکور ہے کہ: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر مولانا عبدالکریم درس نے (مقبول حق احمد رضا۔ ۱۳۴۰ھ) مادّۂ تاریخ نکالا تھا۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی عربی تصنیف ''الدولتہ المکیۃ'' پر سندھ کے بزرگ شیخ ہدایت اللہ بن محمود نے عربی میں تقریظ تحریر کی تھی اور ۱۹۲۲ء کے ماہنامہ ''تصوف'' لاہور میں سندھ کی علمی شخصیت اللہ بخش عقیلی کا تعزیتی مضمون شائع ہوا تھا، جو مولانا احمد رضا بریلوی کے سانحۂ ارتحال پر ان کے جذبات کا ظہار تھا۔

سندھ کی سیات پر بلاشبہ وڈیرے اور جاگیر دار چھائے ہوئے تھے، لیکن اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ ابتدائی طور پر مسلم لیگ میں شمولیت کے روادار نہ تھے۔ جب مسلم لیگ کا پیغام سندھ میں پھیلا اور یکے بعد دیگرے ایسے واقعات پیش آئے تو انگریزوں اور ہندوؤں کی مسلمان دشمنی بے نقاب کر گئے تو اس طبقے کو مجبوراً مسلم

لیگ کی سمت آنا پڑا۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ۱۴ نکات میں سے ایک سندھ کی بمبئی سے علیحدگی بھی تھا۔ اس کی سندھ کے ہندوؤں نے سختی سے مخالفت کی، مسجد منزل گاہ کا واقعہ اور بھریا روڈ میں ایک نہر کی تعمیر میں مسجد کی شہادت جیسے واقعات نے مسلمانانِ سندھ کی آنکھیں کھول دیں سیاسی قیادت کی اپنی اپنی مصلحتیں تھیں۔ کبھی وہ مفاہمت کے نام پر اکٹھے ہوتے اور کبھی وزارتوں کے مسئلے پر بکھر جاتے، لیکن مولانا محمد اسمٰعیل روشن پیر سرہندی (م ۱۹۴۲ء)، پیر محمد قاسم مشوری (م ۱۹۹۰ء)، پیر محمد حسن جان سرہندی (م ۱۹۴۶ء)، پیر محمد حسین جان سرہندی (م ۱۹۴۸ء) پیر غلام مجدد آف مٹیاری (م ۱۹۵۸ء)، پیر عبد الرحیم بھرچونڈی (م ۱۹۷۱ء) پیر محمد ابراہیم جان سرہندی آف سا مارو (م ۲۰۰۲ء)، مفتی صاحب داد خان (م ۱۹۶۵ء)، مخدوم احمد زمان آف نواری شریف، مولانا ظہور الحسن درس (م ۱۹۷۲ء) مولانا تراب علی راشدی (م ۱۹۳۸ء)، مولانا تاج محمد آریجوی، حافظ خیر محمد اوحدی (م ۱۹۸۲ء)، قاضی (دوست محمد بلبل سندھ (م ۱۹۸۷ء) مفتی صاحب داد خان جمالی، مولانا مفتی محمد حسین ٹھٹھوی، پیر عبد الستار جان سرہندی، مولانا مفتی محمد ابراہیم گڑھی یٰسین والے، مفتی عبد الغفور ہمایونی (م ۱۹۱۸ء)، مفتی عبد الباقی یونی (م ۱۹۶۳ء)، مولانا سید علی اکبر شاہ (م ۱۹۶۹ء)، مولانا عبد الوہاب ''عبد'' گلال (م ۱۹۵۰ء)، شاہ غلام رسول قادری (م ۱۹۷۱ء)، مولانا فتح علی اصغر جتوئی (م ۱۹۳۷ء)، مفتی محمد صالح بھٹو نعیمی (م ۱۹۹۲ء)، مولانا محمد صالح میر قادری (م ۱۹۷۶ء) کی تاریخی جدو جہد کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی فکر کے سندھ میں مؤیّد و معاون تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد سندھ کا بریلی سے رشتۂ محبت اور مضبوط ہوا۔ ہندوستان بھر سے آنے والے اکابرین کے ورودِ مسعود سے یہ دھرتی مزید منور و شاداب ہوئی۔ سندھ میں حریتِ فکر اور فروغِ دین کی بڑی علامت درگاہِ عالیہ راشدیہ یعنی پیر گوٹھ کی گدی بحال ہوئی تو پیر صاحب پگارو شاہِ مردان شاہ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اتالیقی کا اعزاز مفتی تقدس علی خاں رضوی کو حاصل ہوا، جو خاندانِ اعلیٰ حضرت کے چشم و چراغ تھے۔

برِّ صغیر پاک وہند میں جنگِ آزادی ہو یا تحریکِ پاکستان دیگر طبقات کی طرح علمائے اہلِ سنّت بھی فعال رہے اور انہوں نے نہ صرف فتاوٰی جہاد دیے اور قیامِ پاکستان کا ہر طرح سے دفاع کیا، بلکہ اپنے پیروکاروں کو ان تحاریک میں بھرپور حصّہ لینے کی تلقین بھی کی۔ امام احمد رضا چونکہ اہم شخصیت تھے ان کے خلفا اور مریدین کی بھاری تعداد ہندوستان بھر میں، جو آج کے پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش پر محیط تھا، جگہ جگہ آباد تھی اس لیے ان کے اثرات بھی زیادہ تھے ان شخصیات نے اپنے موثر عوامی رابطوں، اپنے اجتماعات بالخصوص اعراسِ بزرگانِ دین اور محافلِ میلاد و خصوصی ایام کو بھی مطالبۂ پاکستان کی حمایت میں تبلیغ کا ذریعہ بنایا اور اس پلیٹ فارم سے کانگریس و انگریزی پالیسیوں کی مذمت کی۔ یہی سبب ہے کہ آج ان شخصیات کا نام اور کام تحریکِ آزادی کے تذکروں میں محفوظ ہے اور جہاں بھی آزادی کی جدوجہد زیرِ بحث آتی ہے ان شخصیات کے نام لیے جاتے ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان بزرگوں کے نام اور کام کو مزید پھیلانے اور بتانے کی ضرورت ہے تاکہ آنے والے دنوں میں یہ شخصیات تاریخ کی گرد میں نہ دب جائیں۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ لائقِ ستائش ہیں کہ وہ بریلی سے جس فکر و فلسفہ کو پھیلا رہے تھے اسے نہ صرف برِّ صغیر کے کونے کونے میں پزیرائی ملی، بلکہ اس عہد کے نامور افراد نے اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اس کو پھیلایا اور بالآخر ۱۴؍اگست ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ حصولِ پاکستان کی اس جدوجہد میں کامیاب ہوئی جو اس کا مطمحِ نظر تھا۔

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا
(حدائق بخشش)

مکتوباتِ مسعودی اور فروغ تعلیماتِ رضا

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ (سُوْرَۃُ الْعَلَق، آیات ۴، ۵) جس نے قلم سے لکھنا سکھایا ۝ آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا ۝ (کنزالایمان)

حضرت علامہ مولانا مفتی سید نعیم الدین قادری اشرفی مراد آبادی (المتوفیٰ ۱۳۶۸ھ) اپنے حاشیۃ القرآن خزائن العرفان بر کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن میں ان آیات قرآنی میں کتابت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

الذی علم بالقلم: اس سے کتابت کی فضیلت ثابت ہوئی۔ درحقیقت کتابت میں بڑے منافع ہیں کتابت ہی سے علوم ضبط میں آتے ہیں، گزرے ہوئے لوگوں کی خبریں اور ان کے احوال اور ان کے کلام محفوظ رہتے ہیں۔ کتابت نہ ہوتی تو دین و دنیا کے کام قائم نہ رہ سکتے۔

علم الانسان مالم یعلم: آدمی سے مراد یہاں حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور جو انھیں سکھایا اس سے مراد علم اَسما ہیں۔ ایک قول یہ ہی ہے کہ انسان سے مراد یہاں سیّدِ عالم ﷺ ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جمیع اشیا کے علوم عطا فرمائے۔ (خزائن العرفان از مولانا نعیم الدین مراد آبادی)

خطوط و مکتوبات تبلیغ دین و مذہب میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ کتابت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب دشمنانِ دین مسلمانوں یعنی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زیرِ حراست آئے اس وقت نبیِ کریم ﷺ نے ان زیرِ حراست لوگوں کو جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے اس بنا پر آزادی دینے کا اعلان کیا کہ وہ ہمارے لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں تو ان کو آزادی دے دی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور صحابۂ کرام نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا، تاکہ قرآن مجید کے علاوہ حضور ﷺ کے ارشادات کو بھی قلم بند کیا جاسکے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں کئی صحابۂ کرام نے قرآن مجید کے ساتھ ساتھ نبیِ کریم ﷺ کے فرمودات کو بھی قلم بند کرلیا تھا جو بعد میں ملت اسلامیہ کے لیے انتہائی مفید علمی ذخیرہ ثابت ہوئے۔ اگر صحابۂ کرام اپنی زندگی میں حضور ﷺ کے سامنے ان کے فرمودات کو قلم بند نہ کرتے اور بعد میں یاد داشت کی بنیاد پر مرتب کرتے، ممکن تھا کہ حضور ﷺ کے فرمودات کے بارے میں نہ صرف مسلمانوں کے درمیان سخت اختلافات ہوتے بلکہ دشمنان دین ان باتوں کو اچھال کر دین کو بآسانی مسخ کرنے میں کامیاب ہوجاتے؛ مگر اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ قرآن میں ارشاد فرمایا کہ انسان کو لکھنا سکھایا، چنانچہ نبیِّ کریم ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام کو لکھنا سکھا کر دشمنان دین کا منھ ہمیشہ کے لیے بند کرایا۔ اب جو حدیث یا قرآن دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اس کی تصدیق اس بات سے بخوبی کی جاتی ہے کہ یہ تحریر حضور ﷺ کے زمانے میں لکھی جاچکی تھی اگرچہ بکھری تھی، مگر بعد میں اس کو یکجا کر کے شائع کردی گئی اور حسنِ اتفاق سے بے شمار صحابۂ کرام کو قرآن و حدیث کا لفظ لفظ حفظ تھا، جس نے اس لکھے ہوئے کی تصدیق کردی۔

صحابۂ کرام کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بے شمار اہلِ قلم سامنے آئے، جن کے رشحاتِ قلم نے قرآن و حدیث کے پیغامات کو مزید آسان الفاظ میں اور تشریحات کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا اور پھر ضبطِ تحریر کا سلسلہ بڑھتا گیا اور بعد کے ادوار کے علمانے لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے طویل خطوط لکھنا شروع کیے، جن میں وہ اپنے مریدوں اور معتقدین کو دین کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ بعض مریدوں اور معتقدین نے ایسے قیمتی خطوط کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور پھر اس کی اشاعت کا بندوبست بھی کیا جس کے باعث ہزاروں لوگوں کو ان خطوط میں پوشیدہ علم و عرفان سے آگاہی اور پھر ان خطوط کی روشنی میں بے شمار لوگوں نے اپنے لیے رشد و ہدایت کے راستے تلاش کرلیے۔ یوں تو تاریخ اسلام میں خطوط کا ایک بہت بڑا ذخیرہ محفوظ ہے، جو معاشرے کے مختلف لوگوں نے مختلف پہلوؤں پر ایک دوسرے کو لکھے، مگر یہاں خاص طور پر ان خطوط کا ذکر کیا جارہا ہے جو فروغِ دیں کے سلسلے میں لکھنے والوں نے لکھے۔

اسلام کی تاریخ ہی سب سے زیادہ اہم خطوط کا مجموعہ جو خالصتاً فروغِ دین کے لیے رکھے گئے ان میں سرِفہرست مجموعۂ خطوط "مکتوبات ربانی" کے نام سے مشہور ہے، جو حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروق سرہندی علیہ الرحمۃ کے ہیں، جو ۴ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں اور فارسی میں لکھے گئے ہیں؛ جن کا اب اردو زبان میں ترجمہ بھی شائع ہوچکا ہے۔ اس طرح ایک اور مجموعۂ خطوط "مکتوبات صدی" اور "مکتوبات دو صدی" کے نام سے بھی مشہور ہے جو حضرت شرف الدین منیری علیہ الرحمۃ کے خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے مریدوں کی اصلاح کے لیے لکھے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی اہم خطوط یا مکتوبات کے ذخیرے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مظہری دہلوی علیہ الرحمۃ دورِ حاضر کے نہ صرف مؤرخ تھے، بلکہ شیخِ طریقتِ سلسلۂ نقشبند اور ماہر رضویات بھی تھے۔ آپ نے ۵۰ برس سے زیادہ تحریری کام کیا اور وہ بھی ایک خاص شعبے تک محدود نہ رہا بلکہ کئی گوشوں میں آپ نے تحریریں قلم بند کیں تھیں۔ مثلاً (۱)امام احمد رضا خاں قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمۃ کا بھرپور علمی تعارف، (۲)مجدّدِ الفِ ثانی حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کی علمی اور تاریخی خدمات کی ۱۲ جلدوں میں تدوین، (۳)حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت اور فضائل کے پہلوں پر اہم تصانیف، (۴)اصلاحِ معاشرہ کے لیے متعدد کتابچوں کی تدوین، (۵)اردو ادب اور تاریخ پر بھی کئی کتب، (۶)اپنے خاندان کے بزرگوں کی علمی رشحات کو مدون کرکے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

اپنے مقالے کے عنوان کے تحت یہاں صرف امام احمد رضا پر تحقیق کے دوران پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے جو خطوط لکھے ان کا یہاں مختصر تعارف پیش کرنا چاہوں گا اور ان خطوط میں امام احمد رضا پر محققین کو جو تحریک دی اس سے قارئین کرام کو آگاہ کرنا چاہوں گا کہ ڈاکٹر صاحب نے تعلیمات رضا کے فروغ کے لیے اپنی رشحات قلم سے کتنا اہم کردار ادا کیا کہ درجنوں اعلیٰ محققین نے اپنی تحقیق کا رخ امام احمد رضا کی طرف پھیر کر ڈاکٹر محمد مسعود ان کے متن کو فروغ دیا۔

عبدالستار طاہر نقشبندی نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی دہلوی کے بیشتر خطوط کو جمع کیا اور "مکتوبات مسعودی" کے نام سے اس کتاب کو ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا نے ۲۰۰۵ء میں امام احمد رضا سلور جوبلی کانفرنس کے موقعہ پر اس کو شائع کیا تھا۔ یہ مکتوبات ۵۰۰ سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہیں اور مولف نے اکثر مکتوب کا وہ حصّہ شائع کیا ہے جو کسی نہ کسی طرح امام احمد رضا یا امام ربانی مجدد الف ثانی کی تعلیمات سے متعلق اور ان کے کسی پہلو پر تحقیق سے متعلق ہے۔ یعنی مکتوبات خاصے طویل ہیں اور اس میں علمی گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یعنی محقق کو لکھے گئے خطوط میں ان کو تحقیق کے طریقۂ کار سے بھی آگاہی دی ہے اور بیشتر اہلِ قلم کو امام احمد رضا پر تحقیق کرنے کے لیے راغب کیا ہے۔ اس کتاب میں ۲۰۰ سے زیادہ خطوط کو شامل کیا گیا ہے، جن میں مخاطبین میں بڑے بڑے اسکالرز اور محققین کے نام ہیں۔ مثلاً:

(۱) ڈاکٹر آفتاب، چین (۲)پروفیسر ابرار حسین اسلام آباد (۳)پروفیسر ڈاکٹر احمد حسین قریشی (۴) ڈاکٹر احمد حسین، امریکہ (۵)ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (۶) پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، لاہور (۷)پروفیسر امتیاز سعید، اسلام آباد۔ (۸) پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر، کوئٹہ (۹) علامہ بدر القادری، ہالینڈ (۱۰)ڈاکٹر بشیر احمد، دہلی (۱۱)شیخ حازم احمد، مصر (۱۲)ڈاکٹر حسن شافعی، اسلام آباد (۱۳)پروفیسر خالد الحامدی، انڈیا۔ (۱۴)ڈاکٹر خالد مسعود، اسلام آباد۔ (۱۵)ڈاکٹر سراج احمد قادری، انڈیا۔ (۱۶)پروفیسر ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی۔ (۱۷)علامہ بشیر احمد غوری، انڈیا۔ (۱۸)ڈاکٹر صداقت اللہ، انڈیا۔ (۱۹)پروفیسر سید عبدالرحمٰن بخاری۔ (۲۰)مولانا غلام عباس،ہالینڈ۔ (۲۱)ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں (۲۲)ڈاکٹر غلام یحیٰی انجم۔ (۲۳)پروفیسر غیاث الدین قریشی، لندن (۲۴)مولانا کوثر نیازی۔ (۲۵)علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی، ماریشس۔ (۲۶)پروفیسر ڈاکٹر اسحاق ابڑو۔ (۲۷)پروفیسر ڈاکٹر محمد امین مارہروی۔ (۲۸) مولانا محمد حنیف رضوی۔ (۲۹)پروفیسر ڈاکٹر سید محمد عارف، بہاولپور۔ (۳۰)حکیم محمد موسیٰ امرتسری۔ (۳۱)مولانا محمد نظام الدین، بنگلہ دیش۔ (۳۲)علامہ یٰسین اختر مصباحی، انڈیا۔ (۳۳)پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو۔ (۳۴)پروفیسر منیر الحق کعبی۔ (۳۵)ڈاکٹر اوشا سانیال، امریکہ۔

اب ملاحظہ کیجیے مکتوباتِ مسعودی میں سے انتخاب جو مکتوب فروغ تعلیمات رضا کے لیے اہلِ علم و دانش کو لکھے تھے۔ یہ تمام خطوط اور مکتوبات کے اقتباسات محترم عبدالستار طاہر صاحب کی مرتب کردہ

تالیف مکتوبات مسعودی سے ماخوذ ہیں:

ڈاکٹر آفتاب صاحب کو ۲۲ جولائی ۱۹۹۵ء میں خط لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں جو اس زمانے میں بیجنگ یونیورسٹی بیجنگ چین میں شعبہ اردو لسانیات میں تعینات تھے۔ آپ لکھتے ہیں:"میں نے مولوی احمد رضا خاں بریلوی کا نعتیہ کلام "حدائق بخشش" منتخب کیا ہے جو "انتخاب حدائق بخشش" کے نام سے سرہند پبلی کیشنز کراچی نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے اس کی ایک کاپی آپ کی خدمت میں ارسال کرنا چاہتا ہوں"۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:"شاید آپ کے علم میں ہو مولوی احمد رضا خاں بریلوی پر کولمبیا یونیورسٹی اور روھیل کھنڈ یونیورسٹی سے پانچ اسکالرز ڈاکٹریٹ کر چکے ہیں اور متعدد یونیورسٹیوں میں ڈاکٹریٹ اور ایم فل کر رہے ہیں اگر بیجنگ یونیورسٹی سے کوئی فاضل تحقیق کرنا چاہے تو اس کی مدد کی جاسکتی ہے۔ مولوی احمد رضا بریلوی پر کافی لٹریچر شائع ہو چکا ہے اور بہت سے مخطوطے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔(مکتوبات مسعودی۔ص ۲۳، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا)

ڈاکٹر احمد مرزا نقشبندی جو امریکہ میں نقشبندیہ فاونڈیشن کے سربراہ ہیں ان کو مولانا کوثر نیازی کے متعلق چند اہم باتیں تحریر کیں ملاحظہ کیجیے: "نظریاتی کونسل کے چیئرمین مولانا کوثر نیازی کل انتقال کرگئے۔۔۔ بہت افسوس ہوا۔۔۔ موصوف نے اعلیٰ حضرت بریلوی پر کھل کر اظہارِ خیال کیا اور آخری طویل ترین تقریر حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ پر کی جس میں اعلیٰ حضرت بریلوی کے بہت سے حوالے دیے شاید مخالفین کو یہ بات پسند نہ آئی۔۔۔ دماغ کی رگ پھٹنے سے چار پانچ دن کے اندر اندر انتقال کرگئے۔۔۔ فقیر کو بھی دعا کے لیے خط لکھا، جس سے ان کے دینی رجحان کی تبدیلی کا اندازہ ہوتا ہے۔" (مکتوباتِ مسعودی(۲۰ مارچ ۱۹۹۶ء)، ص ۳۱، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا)

حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ نے حکیم سعید اکرام حسین سیکری چشتی سجادہ نشین خانقاہ عالیہ سیکر شریف میرپور خاص، سندھ کو ایک مکتوب میں دھابیہ دیوبندیہ سے نفرت کا اظہار اور تعلیماتِ رضا کو تعلیماتِ مجددیہ کے فروغ کا ذریعہ بتاتے ہوئے لکھا: "یہ آپ نے صحیح فرمایا کہ سلسلۂ نقشبندیہ میں وھابیہ دیوبندیہ داخل ہوگئے ہیں۔ فقیر نے "جہانِ امام ربانی" میں اس کا ازالہ کیا ہے، بلکہ شروع ہی میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا ذکر کر دیا ہے اور اپنے ابتدائیہ میں واضح کیا ہے کہ وھابیہ دیوبندیہ نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا استحصال کیا ہے اور دوسری طرف امام احمد رضا نے تعلیمات مجددیہ کو فروغ دیا ہے" (مکتوبات مسعودی(۲۳ دسمبر ۲۰۰۳ء)، ص ۶۷۔۶۸)

پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر کوئٹہ بلوچستان کو ایک مکتوب میں اپنے ایک مقالے کا فارسی ترجمہ کرانے کی استدعا کر رہے ہیں تاکہ اس کو فارسی زبان میں شائع کر کے امام احمد رضا کے پیغام کو ایران اور افغانستان پہنچایا جائے تاکہ وہ اپنی زبان میں امام احمد رضا کی شخصیت سے واقف ہو سکیں۔ چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:"امام احمد رضا بریلوی پر فقیر کا ایک مقالہ ہے۔ اگر آپ فارسی میں ترجمہ فرمادیں تو ممنون ہوں گا اس وقت افغانستان اور ایران میں امام احمد رضا کے تعارف کی ضرورت ہے آپ بھی اس خدمت میں حصہ لیں۔"

ایک اور مکتوب میں رقمطراز ہیں:"مولانا احمد رضا خاں بریلوی پر خضر نوشاہی کچھ لکھ رہے ہیں۔ فقیر نے بھی فارسی شاعری پر ایک مختصر رسالہ "ارمغانِ رضا" کے نام سے مرتب کیا ہے۔ اصل میں یہ آپ حضرات کا کام ہے۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے بہت سے فارسی مخطوطات کے عکس موجود ہیں؛ آپ دیکھ کر خوش ہوں گے۔ فقیر کی خواہش بھی ہے کہ یہ چُھپا ہوا خزانہ آپ کے قلم سے ظاہر ہو۔" (مکتوباتِ مسعودی، ص ۷۰۔۷۱)

علامہ بدرالقادری ڈائریکٹر اسلامی اکیڈمی، ہالینڈ کو ایک اہم خوش خبری دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:"یہ خبر آپ کے لیے باعثِ مسرت ہوگی کہ پروفیسر مجید اللہ قادری نے "کنزالایمان اور دیگر معروف اردو تراجم" کے تقابلی جائزے پر تحقیقی مقالہ پیش کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ اوّل الذکر نے فقیر کی نگرانی میں کام کیا تھا۔ الحمد للہ دوسری یونیورسٹیوں میں بھی کام ہو رہا ہے۔ امام احمد رضا ایک سمندر ہیں جس کا کنارہ نہیں۔"

ایک اور مکتوب میں اسی ڈاکٹریٹ کے مقالے کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:"پروفیسر مجید اللہ قادری کے مقالۂ ڈاکٹریٹ کی جامعہ ازہر میں تعریب ہو رہی ہے۔ یہ مقالہ کنزالایمان پر فقیر کی نگرانی میں قلم بند کیا گیا تھا۔ مولانا منظور احمد سعیدی نے "امام احمد رضا محدث بریلوی کی علمِ حدیث میں مہارت" پر فقیر کی نگرانی

میں فاضلانہ مقالۂ ڈاکٹریٹ قلم بند کیا، جو کراچی یونیورسٹی میں داخل کردہاہے۔" (مکتوباتِ مسعودی، ص ۲۷، ۷۳)

ڈاکٹر خالد مسعود جو ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد کے سربراہ تھے ان کو اپنے مکتوب میں امام احمد رضا کے فتاوٰی کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "امام ابو حنیفہ کے حالات و افکار پر بین الاقوامی کانفرنس ۸۔۵، اکتوبر ۱۹۹۸ء سے متعلق تفصیلی پروگرام پڑھاخوشی ہوئی یہ بڑامبارک قدم ہے۔ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اور آپ قابلِ مبارک باد ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ اس کانفرنس کو مبارک فرمائے آمین۔ پروگرام میں "فتاوٰی رضویہ" کانام نہیں ہے۔ میرے خیال میں فتاوٰی کے ذیل میں فتاوٰی رضویہ کا نام بھی شامل کیا جائے تو مناسب ہے۔ پاک وہند سے اس کی بارہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں لاہور میں مزید کام ہورہاہے جو ۳۰ جلدوں تک پھیل جائے گا۔"

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس موقف کو مضبوط ثابت کرنے کے لیے مندرجہ ذیل حوالے بھی دیے:(۱) ڈاکٹر اقبال نے "فتاویٰ رضویہ" کو احمد رضا خاں بریلوی کی ذہانت وفطانت، جودتِ طبع، کمالِ فقاہت اور علمِ دینیہ میں تبحرِ علمی کا شاہد عادل قرار دیا ہے۔ (۲) ابوالحسن ندوی نے "نزھۃالخواطر" میں احمد رضا خاں کی فقاہت کو بے مثال قرار دیا۔(۳) لیڈن یونیورسٹی ہالینڈ کے معارفِ اسلامیہ کے پروفیسر ڈاکٹر جے۔ ایم۔ ایس۔ بلیان نے فتاوٰی کو خوب سراہاہے۔ (۴) مولانا سید محمد ذکریا (والد محمد یوسف بنوری) نے فرمایا: "احمد رضا خاں فقہِ حنفی کی خدمت نہ کرتا تو اس علاقے سے حنفیت ختم ہوجاتی۔" مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں فتاوٰی رضویہ قابلِ توجہ ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ کی اس کوشش نے ڈاکٹر خالد مسعود پر اثر کیا اور انھوں نے کانفرنس میں فتاوٰی رضویہ کو شامل کرلیا اور پھر ڈاکٹر صاحب نے شکریہ کا مکتوب ارسال کیا۔ لکھتے ہیں: "ممنون ہوں کہ آپ نے میری گزارش پر توجہ فرمائی اور پروگرام میں فتاوٰی رضویہ کو شامل فرمایا۔ علالت کی وجہ سے مقالہ نہ پیش کرسکوں گا۔(مکتوباتِ مسعودی، ص ۱۰۱، ۱۰۲)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد اس کانفرنس میں اپنی علالت کے باعث خود تو مقالہ لکھ کر نہ پیش کرسکے اور نہ اس میں جاسکے البتہ اس علالت میں بھی فروغِ رضویات کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا اور اپنے خلیفۂ مجاز محترم المقام حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی کو اس میں مقالہ لکھ کر پیش کرنے کا حکم دیا جو انہوں نے پورا کیا اور ایک مقالہ عربی میں تحریر کیا اور اس کو اس کانفرنس میں پڑھا بھی۔ احقر بھی اس میں شریک تھا۔ اُس مقالے کا عنوان یہ تھا:

"فی ظلال الفتاوٰی الرضویۃ"

اس کو ادارے نے اپنے معارفِ رضا عربی کے شمارہ ۲۰۰۵ء میں شائع بھی کیاہے جب کہ یہ ایک کتابچے کی صورت میں لاہور سے کئی دفعہ شائع ہوچکاہے۔

احقر نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے ساتھ ایک طویل وقت گزاراہے اور اس میں کوئی دورائے نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کی زبان پر ہر وقت امام احمد رضا کانام اور قلم سے ہر وقت امام احمد رضا کا کام سامنے آتا تھا۔ آپ کسی بھی شخصیت کے اوّل تعارف میں امام احمد رضا کا ذکر کر کے یہ بات جان لیتے کہ یہ محقق امام احمد رضا سے بغض رکھتاہے یا امام احمد رضا کے کام کو سراہتاہے اور بعض محافل میں جب احقر بھی حضرت کے ساتھ ہوتا اور کوئی اجنبی شخص یا اسکالر حضرت کے دربار میں موجود ہوتا اور وہ جو بھی پہلو مثبت یا منفی بیان کرتا یا اپنے Expression سے ظاہر کرتا تو ڈاکٹر صاحب احقر کی طرف ایک خاص نظر سے دیکھتے اور آنکھوں آنکھوں میں اشارہ فرماتے کہ یہ محقق یا اسکالر اعلیٰ حضرت سے محبت کرتاہے یا نہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے ان چند مکتوبات کا جو ۲۰۰ سے کچھ زیادہ ہیں اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو میرے نزدیک ایک محقق ڈاکٹریٹ کا فاضلانہ مقالہ لکھ سکتاہے کہ کس طرح ڈاکٹر صاحب کا یہ سفر شروع ہوا اور اس سفر کے دوران ان محققوں کا کتنا بڑا لشکر تیار ہوگیا اور انہوں نے امام احمد رضا پر M.phil، یا Ph.D، کے مقالات کے علاوہ سینکڑوں علمی مقالات تحریر کیے ان سب کا Credit یقیناً ڈاکٹر صاحب کو جاتاہے اور آج عالمِ برزخ میں وہ یقیناً نبی کریم ﷺ کے اس عاشق صادق کے کارناموں کو اُجاگر کے باعث اور سیدنا محمد ﷺ کے علمی مقام کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے باعث حضور ﷺ کے بہت قریب ہوں گے اور ان دونوں بزرگوں کی خاص شفقت سے لطف اندوز ہورہے ہوں گے۔ کہنے کو تو ابھی صفحات کے انبار لگ جائیں مگر معارف کے صفحات اس کے متحمل نہ ہوں گے۔ کسی اور مقالے میں بقیہ تحریر کو آگے پیش کروں گا۔

حضرت مفتی علامہ تقدس علی خاں بریلوی

سید محمد عبداللہ قادری (واہ کینٹ، پاکستان)

حضرت علامہ مفتی تقدس علی خاں بن الحاج سردار ولی خاں بن مولانا ہادی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اگست ۱۹۰۷ء میں آستانۂ عالیہ رضویہ محلہ سوداگراں بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ الشاہ احمد رضا خاں بریلوی قادری (م ۱۹۲۱ء) آپ کے والدِ ماجد مولانا سردار ولی خاں کے چچازاد تھے اور والدۂ ماجدہ کی جانب سے آپ کے نانا تھے۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ماموں، خسر تھے۔

آپ نابغۂ روزگار بزرگوں میں سے ایک تھے؛ بلند پایہ عالمِ دین، شیخ الحدیث، مفسر، مترجم تھے، اس کے علاوہ روحانی پیشوا، اکابر مشائخ عظام کی نشانی تھے۔ تحریکِ پاکستان کے کارکن تھے۔ آپ نے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز تالیف "مکاشفۃ القلوب" کا اردو ترجمہ کیا۔ آپ خانوادۂ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ کے خاندان کے نامور سپوت تھے سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے بہت ملنسار، خوش مذاق، خوش اخلاق اور سادگی کا پاکیزہ نمونہ تھے۔ چھوٹے بڑے سے یکساں پیش آتے تھے۔ ۱۳۷۲ہجری میں مفتی تقدس علی خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے پیر جو گوٹھ، ضلع خیرپور میرس سندھ میں "مدرسہ قادریہ" کا اِجرا کیا اور اس کے مہتمم رہے۔ "جامع راشدیہ" پیر جو گوٹھ میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ کی خدمات قابل قدر تھیں۔

۱۳۷۲ھ / ۵۳، ۱۹۵۲ء میں جب مدرسہ قادریہ کا اجرا ہوا اُس زمانے میں حضرت پیر سید سکندر علی المعروف بہ شاہِ مردان، پگارو ہفتم، لندن میں جلاوطنی کی زندگی بسر کررہے تھے جب کہ اُن کے بھائی پیر سید نادر علی بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ یہ اس لیے ہوا کہ حضرت پیر سید صبغت اللہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کو انگریزوں نے شہید کردیا تھا اور دونوں بھائیوں کو ساتھ لے گئے۔ حضرت پیر سید سکندر علی المعروف بہ شاہِ مردان اور حضرت سید نادر علی، خان لیاقت علی خاں کے زمانے میں واپس آئے۔ جب پاکستان پہنچے تو حضرت پیر سید صبغت اللہ راشدی کے "حُروں" نے حضرت پیر سید سکندر علی شاہ مردان کو "پیر جو گوٹھ" میں پگارو ہفتم مقرر کیا گیا اور اُن کی تاج پوشی کی۔

حضرت پیر سید سکندر علی شاہ مردان ۲۲ نومبر ۱۹۲۸ء کو پیر جو گوٹھ (سندھ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پیر جو گوٹھ میں حاصل کی۔ آپ کے والد ماجد گرامی قدر حضرت پیر سیّد صبغت اللہ راشدی کو انگریزوں نے شہید کیا تو پھر اہلِ خانہ کو حراست میں لے کر پیر جو گوٹھ سے کراچی لے آئے اور ماما پارسی اسکول کے پاس والے بنگلے میں نظر بند کردیا۔ ۱۹۴۳، ۱۹۴۴ء کے لگ بھگ دونوں بھائیوں کو تعلیم کی غرض سے علی گڑھ لے جایا گیا۔ ۲۰ مارچ ۱۹۴۳ء کو پیر صبغت اللہ راشدی کو پھانسی دے دی گئی۔

پیر سید سکندر علی شاہ مردان کی پہلی شادی ۱۹۵۵ء میں رحیم یار خاں کے سیاست دان سیّد غلام میراں شاہ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ آپ کے ۳ بیٹے اور ۲ بیٹیاں ہوئیں۔ دوسری شادی ۱۹۹۷ء میں ہوئی جس سے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔ آپ پاکستان مسلم لیگ فنکشنل کے سربراہ تھے۔ پیر صاحب کا پاکستان کی سیاست میں ایک بہت بڑا کردار رہا ہے۔ آپ "بادشا گر" تھے، پاکستان کے سیاسی اُتار چڑھاؤ کو بڑی گہری نظر سے دیکھتے تھے، آپ کی سیاسی پیشن گوئیاں بڑی اہم ہوتی تھیں۔ آپ ۲۶ نومبر ۲۰۱۱ء کو سانس کی تکلیف کے باعث ہسپتال میں داخل ہوئے۔ طبعیت زیادہ خراب ہوئی تو اُن کے خاندان والے انہیں لندن بغرضِ علاج لے گئے۔ ۶ دن لندن کے اسپتال میں رہے؛ ۱۰ جنوری ۲۰۱۲ء کی شب حرکت قلب بند ہونے سے رحلت فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون! پیر جو گوٹھ سندھ میں سپرد خاک ہوئے۔ پیر صبغت اللہ شاہ راشدی المعروف بہ راجہ سائیں، پیر صدرالدین راشدی عرف یونس سائیں، پیر سید علی گوہر راشدی اور پیر سیّد حزب اللہ شاہ راشدی آپ کے صاحبزادگان میں شامل ہیں۔ آپ کے بڑے بیٹے پیر سیّد صبغت اللہ شاہ راشدی کو "حُروں" کے اتفاق رائے سے پگارو ہشتم پیر پگارو منتخب کیا ہے۔

۱۶، ۱۷/ اکتوبر ۱۹۷۸ء میں سنی کانفرنس ٹوبہ ٹیک سنگھ (دارالسلام) میں، پیر سیّد سکندر علی شاہ المعروف بہ شاہ مردان پیر

جو گوٹھ سندھ کے نمائندے کے طور پر حضرت مفتی تقدس علی خاں بریلوی نے شرکت کی وہاں پیر صاحب کا پیغام پڑھ کر سنایا۔ مفتی صاحب حضرت پیر سکندر علی (شاہ مردان) کے اتالیق تھے۔

مرکزی مجلس رضا، لاہور (قائم شدہ ۱۹۶۸ء) بانی حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری لاہوری (جون ۱۹۲۷ء۔ نومبر ۱۹۹۹ء) کے زیرِ اہتمام نوری مسجد، میں "یومِ رضا" منایا جاتا تھا، جس میں مفتی تقدس علی خاں علیہ الرحمۃ بلاناغہ چودہ پندرہ سال تک بطورِ سرپرست اعلیٰ رونق افروز ہوتے رہے؛ جلسے کی صدارت بھی فرماتے تھے اور مجلس رضا کو خصوصی دعاؤں سے بھی نوازتے تھے۔ مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ، لاہور، اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی قادری قدس سرہ کے نام سے منسوب ہے۔ مرکزی مجلس رضا نے ۱۹۶۸ء تا ۱۹۹۹ء بڑا زور دار کام کیا، بہت سی کتب بھی شائع کیں، جن سے تعلیماتِ امام احمد رضا کو روشناس کروایا۔ بہت سی نایاب اور غیر مطبوعہ کتب کے مسودات بغرض اشاعت مفتی تقدس علی خاں بریلوی قادری "بریلی شریف" جاکر خود لاتے تھے۔ ۲۲ فروری ۱۹۸۸ء کو حضرت مفتی تقدس علی خاں علیہ الرحمۃ کی رحلت کے بعد، مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ لاہور کے بانی، خاموش مبلغ، محقق جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی نظامی فخری (م نومبر ۱۹۹۹ء) اور مجلس کے دیگر متعلقین ایک عظیم نعمت سے محروم ہوگئے۔ مفتی تقدس علی خاں، مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ کو علمی و دینی مشوروں سے نوازتے اور ہر قسم کا مالی تعاون بھی کرتے تھے۔

راقم السطور (سیّد محمد عبداللہ قادری بن سید نور محمد قادری) کو بھی حضرت مفتی تقدس علی خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت و ملاقات کا شرف نصیب ہوا۔ ایک بار جامعہ نظامیہ اندرونِ لوہاری دروازہ لاہور میں حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ کے ہاں ملاقات ہوئی تھی۔ مکتبۂ قادریہ کے کمرۂ برآمدہ میں "مفتی صاحب" چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، وہیں سلام و دعا ہوئی آپ نے خانوں والی دھوتی اور ململ کا کُرتا پہنا ہوا تھا۔ درمیانہ قد چہرے پر موزوں ڈاڑھی گندمی گوں رنگ۔

۲۹ دسمبر ۱۹۸۲ء عید میلاد النبی ﷺ کے سلسلے میں پاکستان بھر میں عام تعطیل تھی؛ اس لیے میں دفتر نہ گیا (ستمبر ۱۹۸۱ء تا نومبر ۱۹۸۳ء میں سی ایم پی لاہور میں رہا) میں اپنے محسن بزرگ، حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے مطب واقع ۵۵ ریلوے روڈ لاہور گیا۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی میرے والدِ گرامی سیّد نور محمد قادری بن حافظ مولوی سیّد محمد عبداللہ قادری بخاری بن مولوی سید محمد چراغ شاہ سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہم چک نمبر ۱۵ شمالی ضلع گجرات/منڈی بہاءالدین سے علمی و ادبی دوستی تھی، جو ۱۹۶۸ء میں قائم ہوئی اور نومبر ۱۹۹۶ء تک بدستور قائم رہی۔ اسی وجہ سے حکیم محمد موسیٰ امرتسری (۱۹۲۸۔۱۹۹۹ء) مجھے بہت عزیز سمجھتے تھے اور نظر شفقت فرماتے اور میں انہیں اپنا بزرگ سمجھتا تھا اور والدِ ماجد کی طرح اُن کا احترام کرتا تھا۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۸۲ء کی سہ پہر کو حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری بن فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نظامی فخری کے ہمراہ چاہ میراں لاہور، گیا وہاں "مسجد رضا" کا افتتاح تھا جو مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ لاہور کے زیر اہتمام بنی ہے۔ ارشاد بیگم نامی ایک عورت نے مسجد کے لیے جگہ دی ہے۔ یہ مسجد ۳ ماہ کے قلیل عرصے میں ۳ منزلہ بن گئی، یہ بھی اعلیٰ حضرت بریلوی کی کرامت ہے۔

"مسجدِ رضا" کا افتتاح ہوا؛ مہمانِ خصوصی حضرت مفتی تقدس علی خاں قادری بریلوی تھے، جو پیر جو گوٹھ سندھ سے تشریف لائے تھے۔ حاضرین میں مولانا محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے سلطان باہو بھی موجود تھے۔ افتتاحی تقریب کے بعد "نمازِ ظہر" حضرت مفتی تقدس علی خاں صاحب نے پڑھائی۔ اس افتتاحی تقریب میں فقیر بھی شامل تھا۔ جس دن "مسجدِ رضا" کا سنگِ بنیاد رکھا گیا اس دن میں نے بھی ایک اینٹ رکھی تھی۔ افتتاحی تقریب کے بعد میں پریم گلی دل محمد روڈ لاہور میں اپنے پیر صاحب حضرت حاجی ستری عبدالرشید سلطانی قادری آوانی خلیفۂ مجاز حضرت صاحبزادہ قاضی محبوب عالم قادری آوانی مہمدہ شریف گجرات کے گھر پہنچ کر اُن کے ہاں محفلِ میلاد النبی ﷺ میں شریک ہوا۔

مفتی محمد تقدس علی خاں علیہ الرحمۃ سے ملاقات آج سے ۳۰ سال پیشتر ہوئی تھی۔ اس میں بہت سے اشخاص کا ذکرِ خیر ہے، جن میں سے بہت سارے اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں۔ اُن سب کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں ربِّ کریم عزوجل شانہ اپنے حبیبِ مکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صدقے ان سب کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے! آمین ثم آمین۔

وسائلِ بخشش، مولانا حسن رضا کی ایک نایاب تالیف

محمد ثاقب رضا قادری (ایم اے، پنجاب یونیورسٹی، پاکستان)

"وسائلِ بخشش" (۱۳۰۹ھ) اُستادِ زمن، شہنشاہِ سُخن برادرِ اعلیٰ حضرت مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز تصنیف ہے، جس میں حضور غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامات کا منظوم بیان ہے۔ طباعتِ اولی نادری پریس بریلی سے ۱۳۰۹ھ میں ہوئی۔ بعد ازاں لکھنؤ سے پرنٹ "ذوقِ نعت" کے بارِ پنجم ایڈیشن کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔ بعد میں طبع ہونے والے ذوقِ نعت کے ایڈیشنز سے متعدد کلام خارج کر دیا گیا، جس کی وجہ سے یہ مثنوی "وسائلِ بخشش" بھی نایاب ہو گئی۔

ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب مولانا حسن رضا کی مثنویوں کے متعلق رقمطراز ہیں:"ان میں قابلِ ذکر مثنوی "وسائلِ بخشش" ہے، جس میں 602 اشعار ہیں اور نعت کے علاوہ مناقب بھی ہیں۔ اس مثنوی کا انداز مثنوی کی فضا کے مطابق غزل سے اور خاص طور پر داغ اسکول کی غزل سے بالکل مختلف ہے، بہ حیثیت مجموعی یہ اعلیٰ درجہ کی مثنوی ہے۔ 'ذوق نعت' میں اس کی شمولیت ناروا تھی، اس کو علیحدہ کتابی شکل میں طبع ہونا چاہیے تھا۔" (ماہنامہ سُنّی دنیا، مولانا حسن رضا نمبر ۱۹۹۴، صفحہ ۱۶)

وسائلِ بخشش میں بصورتِ مثنوی بارگاہِ غوثیت میں استغاثہ پیش کیا گیا ہے اور کچھ کراماتِ غوثیہ کا منظوم ذکر ہے، اس کے علاوہ مولانا حسن رضا ہی کا تحریر کردہ کلام "نغمۂ رُوح" ۱۳۰۹ھ اور سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کی "نظمِ معطر" ۱۳۰۹ھ بھی شامل ہے۔ "نغمۂ روح" اب موجودہ "ذوقِ نعت" میں شامل ہے اور "نظمِ معطر" بھی سیدی اعلی حضرت کے شہرۂ آفاق نعتیہ دیوان "حدائقِ بخشش" میں شامل ہے۔

"وسائلِ بخشش" کا آغاز توحیدِ باری تعالیٰ سے ہوتا ہے، حضرت مولانا نے نہایت احسن انداز میں اللہ وحدہ' لاشریک کی وحدانیتِ حقیقی کو نظم کیا؛ کچھ دیگر صفاتِ اُلوہیت کا بیان کرنے کے بعد حضور ختم المرسلین ﷺ کی بارگاہ میں مدحت کے گلدستے پیش کیے اور آخر میں سرکار غوثیت مآب میں عقیدت کے پھول نچھاور کیے۔ اس تمہیدی خطبے کے بعد سرکار غوث پاک کی گیارہ عدد کرامات کا منظوم ذکر کیا اور دو عدد مناقب تحریر کیں اور آخر میں دو عدد نغمات شاملِ کتاب کیے۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی (مراد آباد، ہند) لکھتے ہیں:"(وسائلِ بخشش کی (پہلی تین مثنویات حمدیہ و نعتیہ ہیں جن میں عشق و محبت کے جذبات کی تیز آنچ کے ساتھ اشہب فکر کی وہ جُولانیاں بھی نظر آتی ہیں جو مولانا کو عاشق سے زیادہ شاعر اور شاعر سے زیادہ عاشق ثابت کرتی ہیں۔" (نعت رنگ، جلد ۱۸، امام احمد رضا نمبر، ص ۶۲۷)

"وسائلِ بخشش" میں ذکر کردہ کراماتِ غوثیہ میں سے نو (۹) روایات شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ (۹۶۰ھ۔۱۰۲۵ھ) کی مایہ ناز تصنیف "تحفۃ القادریہ" میں سے لی ہیں؛ ایک روایت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۹۵۸ھ۔۱۰۵۲ھ) کی اخبار الاخیار سے اور ایک روایت مذکورہ بالا دونوں کتب کے علاوہ "بہجۃ الاسرار" از امام شطنوفی میں بھی نہ مل سکی۔ اس لیے اس کی تخریج ہم نے ۱۲۸۳ھ میں طبع ہونے والی ایک کتاب "مناقبِ غوثیہ" از شیخ محمد شہبانی مطبوعہ مطبع گنیش سے کر دی ہے۔

"تحفۃ القادریہ" حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب پر نہایت مستند تصنیف ہے۔ حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ قطب الاقطاب میں سے تھے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی آپ کے معاصر تھے اور آپ کے نہایت عقیدت مند تھے، اکثر آپ کی زیارت کے لیے لاہور حاضری دیتے۔ "شرح فتوح الغیب" شاہ ابوالمعالی ہی کے حکم پر تحریر فرمائی۔ شیخ محقق اپنی کتابوں میں آپ کا ذکر نہایت ادب اور احترام سے کرتے ہیں۔ شاہ ابوالمعالی کے نام کئی ایک مکتوبات بھی تحریر کیے۔ امام اہلِ سنت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی حمۃ اللہ علیہ نے بھی "تحفۃ القادریہ" کی تحسین فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:"تحفہ قادریہ شریف اعلی درجہ کی مستند کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ بالاستیعاب سے بارہا مشرف ہوا۔" (فتاوٰی رضویہ مع

تخریج و ترجمہ عربی عبارات، جلد ۲۸، صفحہ ۴۳۰)۔مرکز الاولیاء، لاہور کے قلب میں واقع مشہور لاہور ہوٹل کے عقب میں آپ کا مزار مرجعِ خلائق ہے۔

وسائلِ بخشش کی طباعتِ نو

محترمی و مکرمی علامہ مولانا افروز قادری چریا کوٹی کی تحریک پر راقم نے "کلیاتِ حسن" کا کام شروع کیا اور مولانا حسن رضا کی تصنیفات کی تلاش شروع کر دی۔سب سے اول اس کتاب کے لیے راقم نے محترم المقام اُسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی(خانقاہِ قادریہ بدایوں، ہند) سے رابطہ کیا۔ محترم شیخ نے راقم پر خصوصی شفقت فرمائی اور "کلیاتِ حسن" کے لیے مولانا حسن رضا کی تین نایاب کتب عنایت فرمائیں، جن میں "ندوہ کا تیجہ" "بے موقع فریاد کے مہذب جواب" اور پیشِ نظر کتاب "وسائلِ بخشش" شامل ہیں۔

"وسائل بخشش" کے لیے جب محترم اُسید الحق قادری زید مجدہ سے رابطہ ہوا تو اولاً حضرت نے "وسائلِ بخشش" کا سرورق و آخری صفحات مشتملہ "نظمِ معطر"(۱۳۰۹ھ) عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ "مکمل نسخہ خانقاہِ صمدیہ پھپھوند شریف، ہند میں موجود ہے، اور میرا جب کبھی جانا ہوا تو میں یاد رکھوں گا"۔ اس تسلی سے دل کی ڈھارس بندھ گئی کہ ان شاء اللہ یہ کتاب تو مل ہی جائے گی تاہم پھر بھی جستجو تھمنے کا نام نہ لیتی تھی۔ اسی اثنا میں "شعرِ حسن" مصنفۂ نظیر لدھیانوی کا مطالعہ کیا، اس کا مقدمہ مولانا مُرید احمد چشتی مدظلہ العالی نے تحریر فرمایا تھا اور 1985ء میں رضا پبلی کیشنز سے طبع ہوئی تھی۔اس کتاب میں مرید احمد چشتی صاحب کا "وسائلِ بخشش" کے متعلق یہ حاشیہ "ذوقِ نعت مطبوعۂ لکھنؤ بار پنجم کے ہمراہ چھپ چکی ہے" پڑھ کر تجسس ہوا کہ شاید ان کے پاس یہ کتاب موجود ہو۔ چنانچہ اب جناب مرید احمد چشتی صاحب سے رابطے کی کوشش شروع کی۔ حضرت سے رابطہ ہوا اور حضرت نے بتایا کہ ذوق نعتِ مطبوعۂ لکھنؤ کا پانچواں ایڈیشن ماسٹر محمد نذیر صاحب آف پنڈی بھکھ نواحی قصبہ تھانہ جلال پور شریف، ضلع جہلم کے پاس موجود تھا؛ لیکن ان کا وصال ہو چکا ہے اور ان کی اولاد سے ان کا کوئی رابطہ نہیں۔ تاہم اگلے ہی دن حضرت نے خود فون کیا اور یہ خوش خبری سنائی کہ ۸ نومبر ۱۹۷۷ء کو انہوں نے "ذوق نعت" مطبوعۂ لکھنؤ سے کچھ کلام نقل کیا تھا جو کہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی کے نسخے میں نہیں تھا اور اس کلام میں مثنوی "وسائل بخشش" بھی شامل ہے۔ چنانچہ حضرت نے اپنا نقل کردہ نسخہ مجھے عطا فرما دیا، گھر لا کر میں نے کمپوزنگ شروع کی اور حُسنِ اتفاق ملاحظہ فرمائیں کہ اِدھر راقم نے اس کی کمپوزنگ مکمل کر کے لفظ "تمام شد" ٹائپ کیا، اُسی لمحے میرے موبائل پر قبلہ شیخ اُسید الحق عاصم قادری بدایونی دامت برکاتہم القدسیہ کا فون تشریف لایا اور حضرت نے یہ نویدِ جاں فزا سُنائی کہ ان کو کتب خانۂ قادریہ، بدایوں سے "وسائل بخشش" مطبوعۂ نادری پریس، بریلی مل گیا ہے۔

طباعتِ جدید میں مذکورۂ بالا دونوں نسخوں سے مدد لی گئی ہے۔ مرید احمد چشتی صاحب کا نقل کردہ قلمی نسخہ اگرچہ خاصا کارآمد رہا، تاہم اصل نسخے سے تقابل کے دوران کچھ کمزوریاں سامنے آئیں؛ پس اصل نسخے کو معیار بنا کر حتی الوُسع تصحیح کا اہتمام کیا گیا ہے۔طباعتِ اُولی میں سُرخیوں کا اہتمام کوئی خاص نہ تھا؛ صرف "روایت دیگر" لکھ کر مختلف کرامات بیان کر دی گئیں، ہم نے جدید طباعت میں اصل سُرخی کے ساتھ قوسین میں واقعے کے مطابق سُرخی کا اہتمام کر دیا ہے۔تمام روایات کا حوالہ بھی نقل کر دیا ہے۔ عربی و فارسی اشعار کا ترجمہ شامل کر دیا ہے۔فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی "نظمِ معطر" کا ترجمہ صوفی اوّل قادری رضوی کی کتاب "سخنِ رضا" سے ضروری ترمیم کے ساتھ نقل کیا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ کے ترجمے کے ساتھ ساتھ حوالے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

آخر میں محترم اُسید الحق قادری صاحب بدایونی زید مجدہ اور محترم جناب مولانا مرید احمد چشتی آف پنڈ دادنخان، جہلم کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ جن کی خصوصی شفقت سے یہ کتاب راقم کو ملی، علامہ افروز قادری (خلیفۂ حضور تاج الشریعہ) نے اپنی گوناگوں مصروفیات میں سے وقت نکال کر کتاب پر نظرِ ثانی فرمائی، معروف نعت گو شاعر راجا رشید محمود صاحب(مدیرِ ماہنامہ "نعت" لاہور) نے پیش لفظ تحریر فرمایا، میاں محمد عالم مختار حق صاحب نے حوالہ جات کے لیے "تحفۃ القادریہ" اور "مناقبِ غوثیہ" کا نسخہ عطا فرمایا۔ اللہ عزوجل ان تمام احباب پر اپنی خصوصی عنایتوں کا نزول فرمائے اور اس کتاب کو ہم سب کے لیے "وسیلۂ بخشش" بنائے ۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

دُور و نزدیک سے

قارئینِ معارفِ رضا کے خطوط، ای میل اور خبریں

پروفیسر محمد الیاس اعظمی (اسلامی تحقیقاتی لائبریری، قصور)

"معارف رضا" شمارہ نومبر ۲۰۱۱ء کا اداریہ اس وقت راقم کے سامنے ہے۔ اداریہ پڑھ کر داد نہ دینا بخیلی ہی ہو سکتا ہے، بصورت دیگر اس کو کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔ دلاور کا قلم بھی دلاور ہی ہے "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ" تحریر پڑھتے ہوئے جو تاثر سطحِ فکر و نظر پر ابھرتا ہے وہ یہ ہے:

۱۔ آپ کا قلم حسن تصور، حسن معانی کا جامع ہے۔

۲۔ اسلوبِ تحریر محض الفاظ و کلمات پر ہی مشتمل نہیں بلکہ روح استدلال بھی رکھتا ہے۔

۳۔ زیرِ بحث مسئلے کے متنوع پہلوؤں کا بیان معلومات کی گہرائی کا پتا دیتا ہے۔

۴۔ کمال یہ ہے کہ نازک ترین مسئلے پر بحث کی گئی، مگر الفاظ و تراکیب کی بندش میں نشتر کی چبھن کہیں بھی محسوس نہیں ہوتی۔

۵۔ خالص مذہبی وجذباتی مسئلے میں تحمل و استدلال کی یک جائی ایک عطیۂ الٰہی سے کم نہیں۔

۶۔ تحریر کی روانی وسلاست گویا آبِ جو کا منظر پیش کرتی ہے۔

۷۔ علمی و فکری، نظری و قانونی تحریر میں بر محل اشعار کا انتخاب واستعمال ادب لطیف کا نقیب دکھائی دیتا ہے۔

۸۔ اردو نثر میں فارسی اشعار کا تڑکہ لطفِ نگارش کو اور بھی پُر لطف بنا رہا ہے۔

عالی وقار! آپ کا یہی اداریہ پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا بلکہ جب بھی افکار رضا کا نقیب "معارف رضا" پڑھنے کا موقع ملتا ہے اس میں "اپنی بات" کے عنوان سے جب آپ کے رشحاتِ قلم پڑھتا ہوں تو محرر اسم با مسمّٰی بن کر دلاور فکر و نظر بھی محسوس ہوتے ہیں۔ موجودہ دور اسی قسم کی تحریروں کا متقاضی ہے کہ الفاظ زہر آلودہ نہ ہوں بلکہ الفاظ و معانی میں محبت کی شیرینی کا احساس نمایاں ہونا چاہیے اور آپ جناب کی تحریرات بالعموم ایسی ہی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ذاتِ کریمہ آپ کے قلم کو اور جِلا بخشے، روانی عطا کرے تاکہ آپ قلم کے ذریعے سے دلوں کی ریاست کو فتح کرتے رہیں۔ قبلہ شاہ صاحب اور دیگر تمام ذمّے داران و کارکنانِ ادارہ کو سلامِ عقیدت۔

محمد سعید (طارق بن زید کالج، کراچی)

آپ کی تحریر "تحفظ ناموس رسالت" ماہنامہ معارف رضا کراچی میں نظر سے گذری۔ بڑی مناسب، موقعہ محل کے مطابق، منجھی ہوئی اور دلائل اور وبراہین سے بھرپور، ہر خاص و عام کو اپیل کرتی ہوئی محسوس ہوتی۔ آپ نے حسن تدبر سے مواد کو ترتیب دے کر مختلف شکلوں کو وجود بخشا اور پھر ان پر قارئین کے لیے بحث سے کام لیا۔ بلاشبہ وہ تحریر بہت پسند کی گئی۔

"تحفظ ناموس رسالت" مضمون قلمبند کرنے پر آپ کو ھدیہ تبریک پیش کرتے ہیں اس جذبہ کے ساتھ کہ آپ آئندہ بھی نئے انداز وبیان سے قارئین کے لیے علمی کاوشوں کو بروکار لاتے رہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

محمد فیض المصطفیٰ نوری (ماہنامہ نورالحبیب، ضلع اوکاڑا، پاکستان)

محترم و مکرم جناب ایڈیٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ کا مؤقر پرچہ ہمیں ماہنامہ "نورالحبیب" کے تبادلے میں موصول ہو رہا ہے، اس عنایت کا شکریہ۔۔۔ آں جناب کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہم چند اہم جرائد کی جلد بندی کروا رہے ہیں، جن میں آپ کا مؤقر مجلّہ بھی شامل ہے، ہمارے ریکارڈ میں آپ کے مجلّے کے مندرجہ ذیل شمارے کم ہیں، جس کی بنا پر جلد بندی کا کام رکا ہوا ہے۔ آپ سے پرزور استدعا ہے کہ مذکورہ شمارے فوری

طور پر بھیج کر ممنوع فرمائیں تاکہ ہمارا ریکارڈ مکمل ہوسکے: جون ۲۰۱۱ء، اکتوبر ۲۰۱۱ء، دسمبر ۲۰۱۱ء۔

حضرت صاحبزادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری مدظلہ العالی کی طرف سے سلام قبول فرمائیں۔ آپ کے تعاون کا شکریہ۔

مولانا غلام محمد سیالوی (شمس العلوم جامعہ رضویہ، کراچی)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعدہٗ گزارش ہے کہ امام اہلِ سنّت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت العلامہ الشاہ احمد رضا خان الفاضل البریلوی علیہ الرحمۃ اور بانی شمس العلوم جامعہ رضویہ، استاذ العلماء والفضلاء حضرت العلامہ ابوالعلیٰ محمد طفیل علیہ الرحمۃ کا سالانہ عرس مبارک حسب پروگرام تزک واحتشام سے منعقد ہورہاہے۔ امید قوی ہے کہ آپ اس مبارک تقریب میں تشریف لاکر ممنون فرمائیں گے۔ پروگرام ان شاء اللہ تعالیٰ ۲۶ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ / ۲۱ جنوری ۲۰۱۲ء، دن ہفتہ، مقام شمس العلوم جامعہ رضویہ۔

محمد امجد قادری سروانی، (ضلع سیالکوٹ، پاکستان)

السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ طالبِ خیریت الحمدللہ بخیر وعافیت۔

حضورِ والا! گزارشِ احوال یہ ہے کہ ہمیں "رضا اسلامک لائبریری" کے لیے مندرجہ ذیل رسائل وجرائد کے پوسٹل ایڈریس درکار ہیں تاکہ لائبریری کے لیے ان کا اجرا ممکن بنایا جاسکے۔ ماہنامہ "زاویۂ نگاہ" کراچی، ماہنامہ "پیام" اسلام آباد، ماہنامہ "عقیدت" حیدرآباد، ماہنامہ "الاشرف" کراچی، ماہنامہ "الاحیاء" لاہور، ماہنامہ "رشد الایمان" سمندری، ماہنامہ "آہنگ" کراچی، ماہنامہ "خبرنامہ ہمدرد" کراچی (اگر ان کے سیمپل موجود ہوں تو ارسال فرمادیں) علاوہ ازیں ادارے کی درجِ ذیل کتب اعزازی درکار ہیں: اشاریہ سالنامہ معارفِ رضا ۱۹۸۱ تا ۲۰۰۶ء، دو مجدد اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، تعلیمی افکارِ رضا پر تحقیق، اعلیٰ حضرت بریلوی اور علمائے کوٹلی، امام احمد رضا کی انشاء پردازی۔ پارسل کا بڑی بے تابی سے انتظار رہے گا اور جناب بخوبی جانتے ہیں کہ الانتظار اشد مِن الموت۔ معارفِ رضا کا سالانہ چندہ بھی منی آرڈر کردیا گیا، قبول فرماکر رسالہ جاری رکھیں۔

ماہنامہ معارفِ رضا کے گزشتہ شماروں کی دستیابی

گزشتہ ۱۲ سالوں میں شائع ہونے والے ماہنامہ معارف رضا کے انفرادی شمارے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا سے دستیاب ہیں۔ ہدیہ مع عام ڈاک خرچ ۳۰ روپے فی شمارہ منی آرڈر کریں۔ دستیاب شماروں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۲۰۰۰ء شمارہ جنوری، فروری، مارچ، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۱ء شمارہ جنوری، اپریل، جون، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۲ء شمارہ جنوری، جون اور دسمبر
۲۰۰۳ء شمارہ نومبر اور دسمبر
۲۰۰۴ء شمارہ فروری، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۵ء جنوری، فروری، (مارچ، اپریل، مئی مشمولہ سالنامہ)، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۶ء جون، جولائی، اگست اور ستمبر
۲۰۰۷ء شمارہ مئی، اگست اور دسمبر
۲۰۰۸ء شمارہ جون
۲۰۰۹ء شمارہ جولائی، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۱۰ء شمارہ مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۱۱ء شمارہ فروری، مارچ، اپریل، جون، جولائی، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر

ماہنامہ معارف رضا سال ۲۰۱۱ء کی فائل

سال ۲۰۱۱ء کے تمام ۱۲ شماروں پر مشتمل فائل محدود تعداد میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا سے دستیاب ہیں۔ ہدیہ غیر مجلد ۵۵۰ روپے، مجلد ۷۵۰ روپے مع رجسٹرڈ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر روانہ کریں۔

www.imamahmadraza.net

گزشتہ ماہ پاکستان، انڈیا، امریکا، انگلینڈ، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، ماریشس، بنگلہ دیش، کینیڈا، جنوبی افریقہ، افغانستان، برازیل، کویت، آسٹریلیا، انڈونیشیا، ناروے، قطر، شام، بحرین، جرمنی، ڈنمارک، مصر، فرانس، آئرلینڈ، کینیا، سوئیڈن، چلی، چین، چیک ریپبلک، اسپین، جارجیا، گویانا، ہانگ کانگ، اٹلی، جنوبی کوریا، ملاوی، ملائیشیا، نیدرلینڈ (ہالینڈ)، عمان اور سنگاپور وغیرہ ممالک کے ۱۸۰ سے زائد شہروں سے ایک بڑی تعداد میں قارئین نے ادارے کی ویب سائٹ www.imamahmadraza.net ملاحظہ کی۔ ماشاءاللہ

دعوت برائے مقالہ نگاری

سالنامہ معارف رضا ۲۰۱۲ء (اُردو) میں اشاعت کے لیے مقالات ۳۰ اپریل ۲۰۱۲ء تک ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے دفتر میں بذریعہ ڈاک یا کورئیر جمع کرائے جاسکتے ہیں۔ مقالات بذریعہ ای میل imamahmadraza@gmail.com پر بھی بھیج سکتے ہیں۔ مقالہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کے معیار کے مطابق ہو۔ مقالہ نگاروں کے لیے ہدایات معارف رضا کے آخری صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

دعوت برائے رضا ہائر ایجوکیشن پروجیکٹ

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا یونیورسٹی، کالجز اور مدارس کے اساتذہ، اسکالرز اور طلبا و طالبات کو امام احمد رضا اور متعلقاتِ رضا کے مختلف عنوانات پر تحقیق کی دعوت دیتا ہے۔ موضوع کے انتخاب سے مقالے کی تکمیل تک ادارے کی طرف سے راہنمائی اور مواد کی نشاندہی کی سہولت موجود ہے۔ خواہشمند افراد ادارۂ تحقیقات کے دفتر سے بذریعہ فون، ای میل یا ویب سائٹ رابطہ کریں۔

رضویات کے حوالے سے جرائد و رسائل میں شائع ہونے والے مقالات

(۱) ''کیا اعلیٰ حضرت متشدّد تھے؟''، ماہنامہ تحفظ، کراچی، نومبر ۲۰۱۱ء، ص ۳۱ تا ۳۲

(۲) ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، ''امام احمد رضا اور تجارت و بینکنگ''، سہ ماہی آگہی، سکھر، ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ تا صفر ۱۴۳۳ھ، ص ۴۹ — ۵۳

(۳) علامہ یاسین اختر مصباحی، ''مولانا حشمت علی خاں کی حاضر جوابی''، سہ ماہی آگہی، سکھر، ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ تا صفر ۱۴۳۳ھ، ص ۳۲ — ۳۷

(۴) خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، ''آئینۂ قیامت''، ماہنامہ مصلح الدین، کراچی، دسمبر ۲۰۱۱ء، ص ۲۴—۳۲

(۵) ندیم احمد ندیمؔ قادری نورانی، ''آسماں کو چھو رہی ہے رفعتِ عبد العلیم'' (منقبت)، ماہنامہ کنز الایمان، دہلی، انڈیا، جنوری ۲۰۱۲ء، ص ۳۱ — ۳۵

(۶) حامد علی علیمی، ''دورِ جدید میں تبلیغ کے لیے مولانا احمد رضا خاں کی دس وصیتیں''، ماہنامہ کاروانِ قمر، کراچی، جنوری ۲۰۱۲ء، ص ۲۲ — ۳۳

(۷) پروفیسر محمد آصف علیمی، ''مبلغِ اسلام (شاہ عبد العلیم صدیقی) اور اُن کا گھرانا''، ماہنامہ کاروانِ قمر، کراچی، جنوری ۲۰۱۲ء، ص ۴۸—۶۱

لائبریری ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا میں موصول ہونے والی کتب

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف / مرتب / مترجم	صفحات	ناشر
۱	کنز الایمان مع حاشیہ خزائن العرفان	ترجمہ: امام احمد رضا حاشیہ: نعیم الدین مراد آبادی	۱۱۸۶	مکتبۃ المدینہ، کراچی
۲	سیرتِ رسول اور ہماری زندگی	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۲۴	نوری مشن، مالیگاؤں، انڈیا
۳	کلامِ نعیم در مدح نبی حکیم و کریم	محمد نعیمؔ رضا برکاتی مصباحی	۳۲	نوری مشن، مالیگاؤں، انڈیا
۴	الاسباب	مولانا محمد شفیع اوکاڑوی	۴۸	انجمن ثنائیہ،، انڈیا
۵	مدارج العرفان فی مناہج کنز الایمان	علامہ پیر محمد چشتی	۶۳۰	علم دین پبلشرز، لاہور
۶	شفاء الوالہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں	۴۰	ادارۂ معارفِ نعمانیہ، لاہور
۷	فردوسِ نسواں	مفتی بدر عالم مصباحی	۸۰	ادارۂ معارفِ نعمانیہ، لاہور

کارِ بد سے بچایئے، یاغوث!

منظوم اِستغاثہ بہ حضور سیّدنا غوث الاعظم شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۂُ وَاَرْضَاہ

کلام: ندیم احمد ندیمؔ قادری نورانی

کارِ بد سے بچایئے، یاغوث! زنگ دل کا مٹایئے، یاغوث!

سوئے دوزخ مَیں گام زَن ہوں، مجھے راہِ جنّت چلایئے، یاغوث!

آپ چوروں کو کرتے ہیں اَبدال نیک مجھ کو بنایئے، یاغوث!

میرے سر پر بھی اپنے قدموں کا تاجِ عزّت سجایئے، یاغوث!

خوف ہے اِرتداد کا؛ دل پر مُہرِ ایماں لگایئے، یاغوث!

آپ تو ہیں محیِّ دینِ نبی دین پھر سے جِلایئے، یاغوث!

غوثِ اعظم ہیں، عبدِ قادر! آپ شان اپنی دِکھایئے، یاغوث!

بے وَسائل غلام کو اپنے اپنے دَر پر بُلایئے، یاغوث!

کب سے دیدار کی تمنّا ہے اب تو جلوہ دِکھایئے، یاغوث!

دُور تنگی ہو؛ وسعتیں برسیں رزق ایسا دِلایئے، یاغوث!

گیارھویں کی بہار و نکہت سے بارہ گلشن* کِھلایئے، یاغوث!

قادری ہی اُٹھوں میں دنیا سے مَوت ایسی دلایئے، یاغوث!

اپنے ربّ سے سِفارشیں کر کے میری بخشش کرایئے، یاغوث!

آپ کے ساتھ حشر ہو میرا مجھ کو ایسا سجایئے، یاغوث!

میرے اَشعار کو قیامت تک لبِ عالَم پہ لایئے، یاغوث!

خفتہ قسمت ہے یہ ندیمؔ احمد
بخت اِس کے جگایئے، یاغوث!

* "بارہ گلشن" سے "سال کے بارہ مہینے" مراد ہیں۔

نوٹ: اپنے اِس کلام کو اِس فقیر (ندیم احمد ندیمؔ قادری نورانی) نے یہاں چند اَشعار میں معمولی سی ترمیم اور تین اشعار کے اضافے کے ساتھ پیش کیا ہے؛ اِس سے قبل ۲۹/ اپریل ۲۰۰۹ء کو اُستادِ محترم اُستاذ الشعراجناب حضرت راغبؔ مرادآبادی صاحب مرحوم کی خدمت میں یہ منظوم اِستغاثہ بہ نظرِ اصلاح دکھانے کے لیے حاضر ہُوا، تو آپ نے ملاحظہ کر کے مقطع کے نیچے مندرجہ ذیل شعر فی البدیہہ رقم فرما دیا:

میری کشتی کے ناخدا بن کر
پار بیڑا لگایئے، یا غوث!

شاہدِ حسنِ نبوّت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

ناشرِ حکمِ شریعت اعلیٰ حضرت آپ ہیں
شاہدِ حسنِ نبوّت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

حاملِ تاجِ شریعت اعلیٰ حضرت آپ ہیں
نازشِ بزمِ طریقت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

عاشقِ ذاتِ رسالت اعلیٰ حضرت آپ ہیں
باعمل شیخِ طریقت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

داعیِ قرآن و سنّت اعلیٰ حضرت آپ ہیں
ماحیِ رفض وضلالت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

محمودِ حسنِ عقیدت اعلیٰ حضرت آپ ہیں
سنّیوں کی مرکزیّت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

آپ سے جو بھی پھرا ہے وہ جماعت سے گیا
بالیقیں صدرِ جماعت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

آپ کے حلقے کے علما کہکشانِ علم ہیں
آفتابِ علم وحکمت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

ہے "عطایائے نبوّت"[1] علم کا روشن چراغ
صدرِ بزمِ علم وحکمت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

آپ کی ہر اِک ادا میں بوئے خوئے مصطفیٰ
اُسوۂ حَسنہ کی صورت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

نعتِ احمد مجتبیٰ لکھنے کا یہ اکرام ہے
حشر تک ممدوحِ امّت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

غوثِ اعظم احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے
مظہرِ انوارِ قدرت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

بد مذاہب، ذہبی وہر شاتمِ سرکار کو ﷺ
آپ نے دی ہے ہزیمت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

آج منکر پڑھ رہے ہیں آپ کا "لاکھوں سلام"
ہے زمانہ محوِ حیرت، اعلیٰ حضرت آپ ہیں

اہلِ ایماں کے لیے اس فتنہ پرور دور میں
سیّدِ عالم ﷺ کی نعمت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

قادری، چشتی، تمامی سلسلوں میں بالیقیں
"عُروَۃُ وُثقٰی" کی صورت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

مسندِ علم وسخن کی آبرو ہے آپ سے
خانقاہوں کی صیانت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

غیر کو بھی ہے مسلّم آپ کا فقہی مقام
حَنفیَت کا تاجِ عزّت اعلیٰ آپ حضرت ہیں

ہے قسم قرآن میں جو "وَالْقَلَمِ مَا یَسْطُرُوْن"
اس کی عظمت کی شہادت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

عَالَمِ عِلم وسخن میں ہر جگہ چرچا ہے آج
پَرتوِ علمِ رسالت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

آپ کے فتوے جو دیکھے حضرت اقبال[2] نے
دی گواہی فی الحقیقت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

سر ضیاء الدین[3] بولے بعدِ حَلِّ مشکلات
علمِ وَھبی کی شہادت، اعلیٰ حضرت آپ ہیں

نظم و ضبطِ علم، خوبی آپ کی تحریر کی
اس زمیں میں فردِ ملّت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

چار دانگِ دہر میں کس کو ملا ہے یہ خطاب
آپ ہی کو، اعلیٰ حضرت، اعلیٰ حضرت آپ ہیں

دورِ صدّیقی سے اب تک عزم کا اِک سلسلہ
اے امامِ اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

قادری تاباں ہوا ہے جن کی نظرِ حُسن سے
حضرتِ نوری[4] کی صورت اعلیٰ حضرت آپ ہیں

---

[1] "العطایا النبویۃ فی فتاوی الرضویہ" ۱۲ جلدوں میں آپ کا مجموعۂ فتاویٰ۔

[2] علامہ اقبال نے آپ کو امام ابو حنیفہ ثانی کہا۔

[3] ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ آپ نے اعلیٰ حضرت سے ریاضی کا ایک لاینحل مسئلہ حل کروانے کے بعد کہا کہ اعلیٰ حضرت کو علم لَدُنّی حاصل تھا۔

[4] سیّدی مولائی مرشِدی مفتیِ اعظم مصطفیٰ رضا خاں نوری رضوی برکاتی قدس اللہ سرہ العزیز کی طرف اشارہ ہے؛ نوری آپ کا تخلص تھا۔

مطبوعاتِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

نام کتاب	صفحات	قیمت (روپے)
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) ۲۰۰۵ء	۳۸۰	۲۰۰
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) ۲۰۰۶ء	۲۵۵	۱۵۰
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) ۲۰۰۷ء	۲۹۰	۱۸۰
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) ۲۰۰۹ء	۳۸۰	۲۵۰
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) ۲۰۱۰ء	۳۹۰	۳۵۰
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) ۲۰۱۱ء	**۱۵۴**	**۲۰۰**
معارفِ رضا سالنامہ (عربی) ۲۰۰۵ء	۲۳۰	۱۵۰
معارفِ رضا سالنامہ (عربی) ۲۰۰۷ء	۸۸	۱۵۰
معارفِ رضا سالنامہ (عربی) ۲۰۰۸ء	۱۶۰	۱۵۰
Marif-e-Raza (English) 2009	۱۴۴	۱۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۵ء	۷۲	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۷ء	۹۸	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۸ء	۹۶	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۱۰ء	۴۰	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۱۱ء	۴۰	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۱۲ء	۴۰	۵۰

نام کتاب	صفحات	قیمت (روپے)
نزولِ آیاتِ فرقان۔و۔ معین مبین	۱۰۴	۶۰
مولانا نقی علی خاں۔ حیات و علمی کارنامے	۲۲۵	۱۶۰
مکتوباتِ مسعودی	۵۹۸	۴۰۰
تذکرۂ اراکینِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا	۱۸۴	۸۰
۲۵سالہ تاریخ وکارکردگیٔ ادارہ	۵۶	۲۵
مختصر تعارف، مطبوعات وکارکردگیٔ ادارہ	۵۶	۲۵
خلفائے محدثِ بریلوی	۱۵۶	۱۰۰
امام احمد رضا کی انشاپردازی	۱۳۶	۱۰۰
ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا۔ ایک تعارف	۵۶	۴۰
اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی اور علمائے کوٹلی	۶۴	۶۰
جدید طریقۂ نعت خوانی تعلیماتِ رضا کی روشنی میں	۱۶	۲۰
اردو تراجمِ قرآن کا تقابلی مطالعہ	۸۰	۵۰
اشاریۂ سالنامہ معارفِ رضا۔۱۹۸۱ء تا۲۰۰۶ء	۶۴	۱۰۰
رضویات۔ نئے تحقیقی تناظر میں	۱۶۰	۱۵۰
اردو نعت گوئی اور فاضلِ بریلوی	۶۸۰	۴۰۰
دو مجدد اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۹۶	۶۰
لال قلعہ سے لال مسجد تک	۶۴	۵۰
تعلیمی افکارِ رضا پر تحقیق	۱۷۴	۱۵۰
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد بلوچستان میں	۶۴	۵۰
امام احمد رضا اور علم صوتیات	۶۴	۵۰
الامام أحمد رضا خاں وأثرہ فی الفقہ الحنفی	۴۰۰	۵۰۰
النثر الفنی	۱۶۵	۲۵۰
ثلاث رسائل فی التکافل الاجتماع	۱۵۰	۱۵۰
حیاۃ الامام أحمد رضا	۵۵	۷۰
EMBRYOLOGY	۵۵	۴۸
Hussam-Ul-Haramain	۱۵۵	۱۰۰

جائزہ فارم

محترم قارئین! ماہنامہ معارفِ رضا اپنی ارتقائی منزل کی طرف گامزن ہے اس کا معیار بلند کرنے اور اس میں بہتری کی کافی گنجائش موجود ہے جس میں آپ کی تعمیری اور مخلصانہ تجاویز ہماری رہنمائی اور حوصلہ افزائی کا باعث ہے۔ اسی مقصد کے لیے یہ جائزہ فارم شائع کیا جارہا ہے۔ اس کی فوٹو کاپی کرا کے کسی عنوان پر اپنی قیمتی آراء درج کرنے کے بعد ہمیں ارسال فرمائیں۔ اسی طرح اداریہ، تبصرۂ کتب اور دیگر امور پر رسالے کی مجموعی بہتری کے لیے اپنی تجاویز سے آگاہ فرمائیں۔ شکریہ۔ (دلاور خاں)

عنوان: ______________________

مضمون / مقالہ نگار: ____________ ماہ: ____________ سن: ____________

تمہید

خوبیاں: ______________________

خامیاں: ______________________

اصلاحی تجاویز: ______________________

صحتِ متن

خوبیاں: ______________________

خامیاں: ______________________

اصلاحی تجاویز: ______________________

رموز و اوقاف

خوبیاں: ______________________

خامیاں: ______________________

اصلاحی تجاویز: ______________________

اقتباس

خوبیاں: ______________________

خامیاں: ______________________

اصلاحی تجاویز: ______________________

حوالہ جات

خوبیاں: ______________________

خامیاں: ______________________

اصلاحی تجاویز: ______________________

مجموعی تاثرات

____

____

جائزہ کار کا نام: ____________ فون نمبر: ____________ شہر: ____________ دستخط: ____________